مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

تاریخ ہندوستان کا سلسلہ اب تک بیس کتابوں تک پہنچ چکا ہے، اسی کے ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں

جلد اول

اس میں مغل دور سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کے دلچسپ واقعات مستند ماخذوں کی مدد سے پیش کئے گئے ہیں، قیمت:- ۸ روپے،

جلد دوم

اس میں مغل فرمانروا بابر، ہمایوں، سوری خاندان کے شیر شاہ اور اسلام شاہ، پھر مغل شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی، انسان دوستی کے سبق آموز واقعات لکھے گئے ہیں، قیمت:- ۱۰ روپے،

جلد سوم

اس میں اورنگ زیب عالمگیر، اور اس کے بعد کے مغل بادشاہوں کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، زیر طبع

(مرتبہ)

سید صباح الدین عبدالرحمن

جلد ۱۳۳ ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۸۴ء عدد ۵

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

۱۰/ اپریل ۱۹۸۰ء کو کراچی سے عزیزی افضال مبین منیجنگ ڈائرکٹر آدم جی مل کے ساتھ پشاور اور اسلام آباد کا ایک خوشگوار اور پُرکیف سفر ایک ہفتہ کے لئے ہوا،

اس سفر کا اصل مقصد حضرت مولانا محمد اشرف صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی سے شرفِ ملاقات حاصل کرنا تھا جو استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بڑے محبوب خلیفہ بھی ہیں، ان کی بلند پایہ تصنیف سلوکِ سلیمانی کی دو جلدوں کا ذکر معارف کے شذرات میں آچکا ہے، ان کے اس علمی کارنامہ سے راقم کی گردن ندامت سے جھکی رہتی ہے کہ جو کام دار المصنفین کے اندر ہونا چاہئے تھا، وہ پشاور کے ایک عزلت خانہ میں ہوا، اسی کے ساتھ امتنان و تشکر کا جذبہ بھی غالب رہتا ہے کہ ان کی اشاعت سے ایک بہت ہی اہم کام انجام پاگیا، ان ملی جلی کیفیات کے ساتھ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ اپنے ایک سگے بھائی کی محبت اور صحیح معنوں میں ایک اہل اللہ کی صحبت کی دولت مل گئی، شرمندگی بھی تھی کہ یہ حاضری جو بہت پہلے ہونی چاہئے تھی، بہت تاخیر سے ہوئی، وہ حضرت سید صاحبؒ کی غایت محبت میں اعظم گڈھ بھی تشریف لائے تھے، ان کی ایک ایک چیز کا دیدار بڑے والہانہ انداز سے کیا تھا، یہ راقم اس موقع پر اعظم گڈھ سے باہر تھا، یہاں نہ ملنے کا بھی قلق تھا جو پشاور پہنچ کر کچھ حد تک دور ہوا،

اللہ تبارک و تعالیٰ کی مصلحت سے حضرت مولانا چلنے پھرنے سے بالکل مجبور ہیں، اپنے جان نثار مریدوں کے سہارے اٹھتے بیٹھتے ہیں، وہی ان کو اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک پہیہ دار کرسی یا کسی موٹر پر بٹھا دیتے ہیں، تو کہیں آتے جاتے ہیں، اسی طرح ریل اور ہوائی جہاز کا بھی سفر کرتے رہتے ہیں، اس مجبوری کے باوجود ان کی عارفانہ بصیرت، عالمانہ فکر، حلیمانہ نکتہ پروری، واعظانہ خطابت اور قلمی سرگرمیاں برابر جاری و ساری ہیں، تین روز تک ان

کی مجلسوں میں بیٹھنے کا موقع ملا، اپنی ہر بات پر حضرت سید صاحبؒ کا کوئی ملفوظ یا شعر سنا کر اپنے ساتھ اہلِ مجلس کو بھی سرشار کر دیتے، ندامت ہوتی رہی کہ حضرت سید صاحبؒ کا ایک قابلِ رشک شیدائی دار المصنفین کے بجائے پشاور میں ہے،

وہ سلوکِ سلیمانی کی تیسری جلد بھی مرتب کر رہے ہیں جس میں حضرت سید صاحبؒ کے ملفوظات اور شعر و سخن کے سلسلہ میں خطوط کے جوابات ہوں گے، ایک علٰحدہ جلد میں وہ ان تمام مضامین کو بھی جمع کر رہے ہیں جو مختلف لوگوں نے حضرت سید صاحبؒ پر اب تک قلمبند کئے ہیں، انھوں نے سلیمان اکیڈمی بھی قائم کر لی ہے، اس کی طرف سے ایک ماہانہ رسالہ البیان بھی نکالتے ہیں جس میں حضرت سید صاحبؒ کی فکر و نظر کی ترویج کے لئے ان کے خاص خاص مضامین بھی شائع کرتے رہتے ہیں

ان کو اردو کے علاوہ فارسی اور عربی لکھنے میں بھی بڑی قدرت ہے، حضرت مولانا زکریا سہارنپوری قدس سرہ العزیز کی مشہور ضخیم کتاب فضائلِ درود شریف کا ترجمہ فارسی میں کر کے اس کو بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے، اس کی ایک جلد پا کر اس کا گرویدہ ہو گیا، عربی میں بھی ان کے کچھ رسالے ہیں، وہ منبر پر بیٹھ کر کوئی خطبہ دیتے ہیں تو اپنی پُراثر خطابت سے ایمان و یقین کے موتی اپنے سامعین پر نچھاور کرتے رہتے ہیں، ان کے عقیدت مندوں کا بڑا وسیع حلقہ ہے جس میں رشد و ہدایت کے طالبوں، عالموں اور دانشوروں کے علاوہ بڑے بڑے سرکاری عہدیدار بھی شامل ہیں،

انہی کے حسن وساطت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشہور خلیفہ مولانا فقیر محمد کی خدمت میں باریابی کی سعادت حاصل ہوئی، ان کی صحبت میں جو ساعتیں گذریں وہ کیا عجب کہ توشۂ آخرت بن جائیں، کتابوں میں دیدۂ گریاں اور دلِ بریاں کا حال تو بہت کچھ پڑھا تھا، مگر اس کا عملی نمونہ حضرت

مولانا فقیر محمد کی ذات سوزاں میں پایا، بات بات میں ان پر گریہ طاری ہو جاتا، اور اپنے نہ تھمنے والے آنسوؤں کو پونچھتے رہتے ان کا مستقل قیام مدینہ منورہ میں رہتا ہے، ان دنوں پشاور ہی میں تشریف فرما تھے، اور مدینہ منورہ کے لئے رخت سفر باندھے ہوئے تھے، اپنے لئے ان سے دعاؤں کا طلب گار ہوا،

ایک روز حضرت مولانا محمد اشرف کی معیت میں مدرسہ امداد العلوم کی سالانہ دستار بندی کے جلسہ میں شریک ہونے کی عزت حاصل ہوئی، وہاں متشرع اور دیندار حاضرین کا بہت بڑا مجمع تھا، جس کو دیکھکر ایسا محسوس ہوا کہ قرون اولیٰ میں مجاہدین کی جماعت ایسی ہی رہی ہوگی، اس کے صدر مدرس اور محدث مولانا حسن جان ہیں، جن کے جذبۂ ایثار و خدمت سے حضرت مولانا اشرف کی سرپرستی میں یہ بڑا فروغ پا رہا ہے، اسی کے ساتھ فیصل مسجد کے نام سے ایک مسجد بھی تعمیر ہوگی، جس میں ایک کروڑ سے زیادہ رقم خرچ کرنے کا تخمینہ ہے،

پشاور کی وہ مسجد بھی دیکھی جہاں آکر حضرت سید احمد شہید بریلویؒ نے جہاد کے سلسلہ میں اپنے مجاہدین کے ساتھ قیام کیا تھا، اس جہاد کی پوری تصویر سامنے آگئی، اور وہ تصانیف بھی جو ان پر اب تک لکھی گئی ہیں، شہر کے قلب میں مسجد مہابت خاں ہے، اس کو جہانگیر کے مشہور منصبدار نے بنایا تھا، مگر سکھوں کے زمانہ میں اس کا سارا حسن ان کی غارتگری کی وجہ سے جاتا رہا تھا، اسّی برس کے بعد یہ واگذاشت ہوئی تو اس کی تزئین و آرائش پھر سے کی گئی، اس کی محرابیں، ڈیوڑھیاں، تین صدر دروازے، گنبددار دالان، وسیع صحن، مختلف حجرے، چھتوں پر چھوٹے چھوٹے گنبد، نماز کی دالان میں خوبصورت آرائشی محرابیں، ان میں نفیس صناعی اور کندہ کاری کے نمونے، دالان میں داخل ہونے کے لئے پانچ کشادہ چوبی دروازے، اور اونچے اونچے منارے مغل طرز تعمیر کی یاد دلاتے ہیں، مگر اس میں شاہجہانی مسجدوں کا حسن و جمال نظر نہیں آیا،

ایک روز حضرت مولانا اشرف کے ایما سے ان کے ایک مرید نے لنڈی کوتل اور درۂ خیبر کی

سیر کرائی، راستے میں پہاڑیوں، وادیوں اور چشموں کے خوبصورت مناظر دیکھنے میں آئے، پہاڑیوں کے اوپر اور مشکل گذار راستوں پر ان کمین گاہوں پر بھی نظر پڑی جن میں چھپ کر قبائلی انگریزوں سے برابر لڑتے رہے اس کے دوسرے دن حضرت مولانا نے خود افغان مہاجرین کے کیمپ دکھانے کی زحمت گوارا کی، ان کی بہت بڑی تعداد خیموں، جھونپڑوں اور مٹی کے مکانوں میں زندگی گزار رہی ہے، ان کو دیکھ کر کلام پاک کی وہ آیتیں یاد آئیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں (الممتحنہ رکوع ۲)

ایک رات پروفیسر پریشان خٹک نے اپنے یہاں مدعو کیا جس میں یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ اور شہر کے معززین بھی تھے، اس وقت وہ پشاور یونیورسٹی میں پشتو کے شعبے کے صدر ہیں، اس کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں، قد آور گورے پٹھانوں میں جو خوبصورتی ہوتی ہے، اسی کی وہ نمایندگی کرتے ہیں، اردو کے بڑے پرزور مقرر ہیں، بولتے وقت اپنے دلچسپ انداز بیان اور مطائبات سے سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں، ان کی مجلس میں نوائے وقت کے مدیر جناب عبدالمجید نظامی بھی تھوڑی دیر تک شریک رہے، پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ نفسیات کے صدر پروفیسر عبدالمغنی بھی وہاں مدعو تھے، ان کی وجہ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے وقت ہر موضوع کا نفسیاتی تجزیہ کرنے کی دعوت دی جاتی تھی، اس دعوت میں حضرت مولانا بھی آخر میں تشریف لے آئے تھے، جس سے اس کا وقار اور بھی بڑھ گیا،

جابجا دعوتیں ہوئیں تو افغانوں کی میزبانی اور خاطر داری کی جو روایتیں سننے میں آئی تھیں وہ آنکھوں سے دیکھنے میں آئیں، دسترخوان انواع و اقسام کے کھانوں سے پُر رہتا، روٹیاں، مرغ اور گوشت کی بوٹیاں وہاں کے لوگوں کے قد و قامت کے مطابق ہوتیں،

اپنی میزبانی کی روایت کے مطابق حضرت مولانا اپنے مریدوں کے ساتھ اور پروفیسر پریشان خٹک

ہوائی اڈے پر لینے کو تشریف لائے تھے، اور پھر رخصت کرنے کے لئے بھی ہوائی اڈے تک آنے کی زحمت گوارا کی، ان کو الوداع کہتے وقت محسوس ہوا کہ یہاں اخلاص و محبت کے جو لمحات گذرے وہ زندگی کا سرمایہ بن کر رہیں گے، پروفیسر پریشان خٹک نے بڑی گرم جوشی سے گلے لگایا، حضرت مولانا نے ایک جانماز اور تسبیح دی، اُن سے اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعاؤں کا طلب گار ہوا، پشاور میں دعاؤں کی بڑی اہمیت ہر بات پر رب کے ہاتھ دعاؤں کے لئے اٹھ جاتے ہیں،

اسلام آباد میں بھی تین روز عزیزی افضال مبین کے ایک عزیز کے یہاں قیام رہا، وہاں زیادہ تر وقت اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں گذرا، اس کے ڈائرکٹر جنرل اب جناب ڈاکٹر محمد زماں صاحب ہیں جنھوں نے اپنی عنایت، اخلاقی تواضع اور سادی خاطر داری سے ہر طرح ممنون کیا، اسٹاف کے بہت سے لوگوں کو اپنے کمرہ میں جمع کیا، ان سے دیر تک اسلام اور مستشرقین پر گفتگو ہوتی رہی، اس موضوع پر اعظم گڈھ کے بعد دوسرا سمینار ویسٹ ایشین اسٹڈیز انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے دسمبر میں کراچی میں ہونے والا ہے، ڈاکٹر محمد زماں نے اپنی عنایت سے اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو اس سمینار کا شریک داعی بنا لیا ہے امید ہے کہ اب ان دونوں اداروں کے تعاون سے سمینار کا اجلاس باوزن اور باوقار طریقہ سے ہوگا،

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اب وہاں ہے، جہاں شاہ فیصل کی مسجد بن رہی ہے، یہ جب مکمل ہو جائے گی تو شاید دنیا کی بڑی مسجدوں میں شمار ہوگی، اسی کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ کی جو عمارت ہے وہ اپنی وسعت اور شوکت کے لحاظ سے اسلامی ممالک کے بہت بڑے علمی اور تحقیقی اداروں میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، خدا کرے جن آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کی خاطر یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے وہ اس کے دانشوروں کے ذریعہ سے پوری ہوں، آمین

اس کے کتب خانہ میں اب تک ۳۵ ہزار کتابیں جمع ہو چکی ہیں، اس کے سرگرم لائبریرین جناب احمد خاں صاحب ہیں، میرا ایک مضمون، اسلامک کلچر حیدرآباد دکن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں

کے فنونِ جنگ پر ۱۹۴۷ء میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا، یہ میرے پاس نہ تھا، جناب احمد خاں صاحب نے گویا انکھ جھپکتے اسکی ایک کاپی فوٹو اسٹیٹ کرا کے میرے حوالے کر دی، اس کے لئے ادارہ کا بہت ممنون ہوا،

اسلام آباد میں سپریم کورٹ کے جج جناب شیفع الرحمن صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، وہ پہلے بنارس کے رہنے والے تھے، اعظم گڈھ میں ان کی رشتہ داری ہے، اسی تعلق سے وہ بڑی محبت سے ملے، اور دیر تک اسلامی قوانین پر گفتگو کرتے رہے،

نیشنل بک فونڈیشن کے دفتر بھی گیا، جس سے پاکستان میں دارالمصنفین کی مطبوعات کے حق اشاعت کا معاہدہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ہوا تھا، اور گذشتہ فروری میں سیرۃ النبی جلد ہفتم کی اشاعت کا حق بھی پچیس ۲۵ ہزار پاکستانی سکہ کے معاوضہ میں اس کو دیا گیا ہے جس کی ادائگی کا وعدہ جون ۱۹۷۷ء میں کیا گیا ہے، یہ ادارہ اب تک دارالمصنفین کی صرف پچیس ۲۵ کتابیں شائع کر سکا ہے، اس تاخیر سے پاکستان کے اہل علم مطمئن نہیں ہیں، اور وہ دارالمصنفین کی کتابیں خریدنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں،

جناب نبی بخش بلوچ پاکستان کی دو دو یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں، سندھی، اردو اور انگریزی زبانوں کے بڑے ممتاز مصنف ہیں، وہ حکومت کے ہر مشکل کام کو بڑی خوش سلیقگی سے انجام دینے کے لئے مشہور ہیں، ان کی علم دوستی، پاکیزگی نفس اور ضرورت کے وقت دست گیری کے حسن اخلاق سے عرصہ سے متاثر ہوں، وہ دارالمصنفین کے محسنوں میں سے ہیں، انھوں نے بھی ایک شام چند دوستوں کے ساتھ اپنے یہاں مدعو کیا، ان کی یہ دعوت علم و ادب کی بزم بن گئی، رخصت کرتے وقت چچ نامہ کا انگریزی ترجمہ اور اسلام آباد میں جو سائنس کانگرس ہوئی تھی، اس میں پیش کئے جانے والے مقالات کی کئی ضخیم جلدیں پیش کیں،

ایک رات اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ریڈر جناب حافظ محمد غازی نے اپنے یہاں کئی دوستوں کے ساتھ مدعو کیا، وہ اپنے چھوٹے بھائی حافظ محمد غزالی کے ساتھ برابر چھوٹے بھائی کی طرح سنہ ۱۹۷۵ء

سے ملتے رہے ہیں ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے سگے ہم زلف ہیں، سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، یہ دعوت کا ہے کو تھی ایک پردیسی کی آمد پر عزیزانہ اخلاق کی عطر پاشی ہر طرف ہو رہی تھی، یہیں پروفیسر حامد سے بھی ملاقات ہوئی تھی، جو انگریزی اور اردو کی کئی کتابوں کے مصنف ہو چکے ہیں، وہ پہلے کاکل ملٹری کالج میں انگریزی کے استاذ تھے۔

اس سفر سے واپس کراچی آیا تو ایک رات برادر عزیز مولانا غلام محمد اپنی ایک ماہانہ مجلس میں ساتھ لے گئے، جس میں ان کے پچیس تیس مریدین اور معتقدین شریک تھے، جب روشنی گل کر کے اس میں ذکر جلی شروع ہوا تو ملا ایک بڑی کیفیت محسوس کی بعض شرکا پر گریہ بھی طاری تھا، خیال ہوا کہ ایسی روحانی مجلسوں ہی کی بدولت پاکستان رحمت الٰہی کی بارش سے سیراب ہوتا ہوگا، مولانا غلام محمد سے **معارف** کے ناظرین واقف ہوں گے، وہ استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے خلیفہ اور تذکرۂ سلیمان کے مصنف بھی ہیں۔

کراچی کے قیام میں لیاقت علی ڈگری کالج کے پرنسپل جناب سید فخر الحسن صاحب سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان کو بہت ہی خلیق، ملنسار، علم دوست کے علاوہ ہر کام کو مستعدی سے انجام دینے میں متحرک پایا، ان کو استاذی المحترم حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے بڑی عقیدت اور محبت ہے، ان کی سیاسی سرگرمیوں پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے جو جلد ہی شائع ہوگی، آیندہ دسمبر میں وہ حضرت سید صاحبؒ کی صد سالہ سالگرہ منانے کے سلسلے میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کر رہے ہیں، اس کے لئے وہ مولانا ابوالحسن علی ندوی، ندوۃ العلما اور دارالمصنفین سے خصوصاً علمی تعاون چاہتے ہیں، جو انشاء اللہ حاصل ہوگا۔

مقالات

منٹگمری واٹ کی کتاب
محمدؐ ایٹ مکہ پر ایک نظر

از

سید صباح الدین عبد الرحمن

(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی. جب کہ آپ پچیس برس کے تھے، مصنف نے یہ لکھ کر نکتہ زنی کی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر بتانے میں شاید مبالغہ کیا گیا ہے، شاید یہ لکھ کر اپنے ظنیات کا ثبوت تو ضرور دیا ہے، اور اس طرح وہ اپنی ذمہ داری سے بھی ماہرانہ طور پر برأت کر سکتے ہیں، لیکن اگر یہ عمر بتانے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، تو اس کی کوئی سند نہیں پیش کرتے. بلکہ یہ لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے آٹھ اولاد ہوئی اور اگر ہر سال ہوتی رہی تو آخری اولاد ان کے ۴۸ ویں سن میں ہوئی، لکھتے ہیں کہ یہ ناممکن بات نہیں، لیکن اس پر کافی رائے زنی ہو سکتی ہے، ممکن ہے کہ اس کو اعجاز پر محمول کیا گیا ہو. لیکن ابن ہشام، ابن سعد اور طبری میں اس پر کوئی رائے زنی نہیں. پھر ہمارے مصنف کو رائے زنی کر کے چھیڑ خانی کی کیا ضرورت تھی،

اسی طرح محض قیاس کر کے یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ خدیجہؓ اتنی دولت مند نہیں رہی ہوں گی، جتنی کہ کہا جاتا ہے۔ اور پھر ان کے قیاسات پر مبنی ان کے استدلال کا یہ رنگ ہے کہ خیال ہے کہ محمدؐ کے پاس بھی کافی سرمایہ ہو گیا ہوگا، کیونکہ وہ تجارت میں معتدلانہ انداز میں حصہ لیتے رہے۔ اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ وہ شام پھر نہیں گئے، لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ وہ شام نہیں گیے یا یہ ممکن ہے کہ اپنی تجارت کی نگرانی دوسروں کے ذمہ کر دی ہو گی، اس امکان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ تاجروں کے اندرونی حلقہ اور اس سود مند کاروبار سے بدر کر دیے گیے۔ لیکن یہ بھی سمجھنا صحیح نہیں کہ وہ بالکل بدر کر دیے گیے تھے کیونکہ انھوں نے اپنی لڑکی زینبؓ کی شادی عبد شمس کے قبیلہ کے ایک رکن سے کی۔ جو خدیجہؓ کے بھتیجے تھے ان کی دو لڑکیاں ابولہب کے لڑکوں سے منسوب تھیں، یہ اس لیے کہ ابولہب کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ شاید وہ بنو ہاشم کے مستقبل کا آدمی ہو، اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ محمدؐ کو بھی قبیلہ کے ہونہار نوجوانوں میں تصور کیا جانے لگا تھا، ان قیاسات اور ظنیات کے مجموعوں سے مصنف کے تحقیقی رنگ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی اس کے متعلق بھی مصنف نے عجیب وغریب بحث چھیڑ دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے متعلق مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے۔ وہ بخاری شریف کی اس حدیث سے ظاہر ہوگا کہ عبد اللہ بن یوسف، مالک، ہشام بن عروہ کی ام المومنین سے، روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی ... طرح آتی ہے، اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے، اور جب میں اسے یاد کر لیتا ہوں جو اس نے کہا تو وہ حالت مجھ سے دور ہو جاتی ہے،

اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے، اور مجھ سے کلام کرتا ہے، اور جو وہ کہتا ہے، اسے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا۔ (کتاب الوحی باب ۱)

اسی کے بعد اس پہلی وحی کا ذکر ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس پوری حدیث کا اردو ترجمہ یہ ہے

"یحییٰ بن بکیر، لیث، عقیل ابن شہاب، عروہ بن زبیر، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے وحی جو رسول اللہ علیہ وسلم پر اترنا شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت خواب آپ دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ کو محبت ہونے لگی، اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے، اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے ہاں آنے کا شوق ہو، وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی رات عبادت کرنی ہے اور اس کے لیے توشہ لیتے۔ یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا، اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھے فرشتہ نے پکڑا اور مجھے زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھکو چھوڑ دیا۔ اور کہا پڑھ۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ پھر تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا، پھر چھوڑ دیا، اور کہا پڑھ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دہرایا۔ اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا، چنانچہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آئے اور دو بار فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو تو لوگوں نے

کمبل اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا، حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کر کے
فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ تعالےٰ
آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں،
محتاجوں کے لیے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں،
پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت
خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے، اور عبرانی کتاب لکھا کرتے
تھے، چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا تھا۔ وہ نابینا اور بوڑھے
ہو گئے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو،
آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو، تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دیکھا تھا، بیان کر دیا، ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے جو اللہ تعالےٰ نے
حضرت موسیٰؑ پر نازل فرمایا تھا، کاش میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ
رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دیگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ مجھے
نکال دیں گے، ورقہ نے فرمایا ہاں جو چیز تو لے کر آیا ہے، اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا
اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ
زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا، اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لیے بند ہو گیا۔"

"ابن شہاب نے کہا مجھ سے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری
وحی کے رکنے کی حدیث بیان کر رہے تھے، تو اس حدیث میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ ایک بار میں جا رہا تھا، تو آسمان سے ایک آواز سنی،
نظر اٹھا کر دیکھا، تو وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا۔ آسمان و زمین کے درمیان

کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہو گیا، اور واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھا دو،
مجھے کمبل اڑھا دو، تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ	اے محمدؐ، جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو، اٹھو
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ	اور ہدایت کرو اور اپنے پروردگار کی
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ	بڑائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک
(مدثر - ۱ تا ۵)	رکھو اور ناپاکی سے دور رہو۔

پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا، اور لگاتار آنے لگی (بخاری شریف باب اول)
بخاری شریف کے اس باب میں یہ حدیث یہاں پر ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری
جگہ کتاب التعبیر میں بھی یہی حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں کچھ فرق و اضافہ ہے،
اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا، اور وحی کا سلسلہ کچھ دنوں
کے لئے منقطع ہو گیا، (امام زہری فرماتے ہیں) جیسا کہ حدیثوں سے ہم کو معلوم ہوا
ہے، وحی کا سلسلہ رک جانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غمگین اور
رنجیدہ ہوئے کہ کئی مرتبہ آپ صبح کو اس ارادہ سے پہاڑوں پر گئے کہ اپنے آپ کو
ان کی چوٹی سے گرا دیں، جب آپ کسی چوٹی پر پہنچتے تاکہ اپنے آپ کو نیچے گرائیں تو
حضرت جبرئیلؑ ظاہر ہوتے، اور فرماتے اے محمد بلاشبہ آپ خدا کے برحق رسول ہیں
یہ سن کر آپ کا قلق و اضطراب ختم ہو جاتا اور دل مطمئن ہو جاتا اور آپ واپس
تشریف لاتے (بخاری کتاب التعبیر جلد دوم ص ۱۰۳۳ مطبوعہ کرزن پریس دہلی)

اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں، جو اس لیے سمجھ میں نہ آئے کہ یہ گنجلک ہے، منٹگمری واٹ نے

اس حدیث کا سہارا لے کر بڑی گنجلک بحث چھیڑدی ہے، مگر یہ حدیث بخاری شریف سے نہیں لی، بلکہ طبری سے لی ہے، یہ اس لیے کہ طبری میں ان کی مطلب برآری اور چھیڑچھاڑ کے لیے کچھ باتیں مل گئی ہیں، طبری نے ابن زہری ہی کے حوالہ سے یہ حدیث لکھی ہے، مگر اس کے لکھنے میں بخاری شریف کی حدیث سے جو اختلاف پیدا ہوگیا ہے، وہ پڑھنے کے بعد ہی ظاہر ہوگا، مصنف نے اس کا جو انگریزی ترجمہ دیا ہے اس کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، مصنف نے اپنی بحث کی خاطر اس کو علحدہ علحدہ خانوں میں لکھا ہے۔

(ا) نعمان بن راشد زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ عروہ سے اور عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وحی سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رویاے صادقہ سے شروع ہوئی، جو صبح صادق کے مانند ہوا کرتے تھے۔

(ب) اس کے بعد آپ کو تنہائی محبوب ہوگئی، آپ غار حرا میں چلے جاتے اور وہاں تحنث میں کئی راتوں تک مشغول ہوجاتے، قبل اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آتے، وہ ان کے پاس آتے اور سامان لے کر اسی طرح واپس ہوجاتے، یہانتک کہ خلاف امید آپ کے پاس حق آیا، اور کہا کہ اے محمد آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(ج) انھوں نے یعنی محمد نے فرمایا کہ میں سوچ رہا تھا، کہ میں اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادوں، جب ایسا سوچ رہا تھا، تو وہ میرے سامنے نمودار ہوا اور کہا اے محمد میں جبرئیل ہوں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(د) تب اوس نے کہا پڑھ، میں نے کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا ہوں، محمدؐ نے کہا تب اوس نے مجھے پکڑا، اور تین بار بڑے زور سے دبوچا، یہاں تک کہ میں بے جان ہوگیا، تب اوس نے کہا کہ پڑھ اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ...... اور میں نے پڑھا۔

(س) پھر میں خدیجہ کے پاس آیا، اور کہا مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے، پھر اپنا واقعہ بیان کیا، تب انھوں نے کہا، خوش خبری ہو، خدا کی قسم اللہ آپ کو پریشانی میں نہ ڈالے گا، آپ رشتہ داروں کے لیے بھلائی کرتے ہیں، آپ سچ بولتے ہیں، آپ امانت کو واپس کرتے ہیں، آپ تکان برداشت کرتے ہیں، آپ مہمان نواز ہیں، اور حق کے حامیوں کی مدد کرتے ہیں۔

(ص) پھر وہ مجھے ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس لے گئیں، اور ان سے کہا کہ اپنے بھائی کے لڑکے ... کی سنیے، انھوں نے پوچھا تو میں نے اپنا واقعہ بیان کیا، تب انھوں نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے، جو موسیٰ بن عمران پر نازل ہوا، کاش میں جوان ہوتا، اور اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کا قبیلہ آپ کو نکالے گا، میں نے کہا کہ کیا وہ مجھے نکال دے گا انھوں نے کہا جب کوئی آدمی ایسا پیام لایا، جیسا آپ لائے ہیں، تو وہ اپنے دشمنوں سے ستائے بغیر نہیں رہا، اگر آپ کا وہ دن میرے سامنے آیا، تو میں آپ کی مدد پورے طور پر پورے زور سے کروں گا۔

(ع) اقرأ کے بعد قرآن کا جو پہلا حصہ میرے اوپر نازل ہوا، وہ یہ تھا۔
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ن، قلم کی اور جو اہل قلم، لکھتے ہیں،

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝
(قلم ۱ تا ۵)

اس کی قسم یا کہ (اے محمد) تم اپنے
پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں
ہو، اور تمھارے لیے بے انتہا اجر ہے
اور اخلاق تمھارے بہت (عالی) ہیں
سو عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ
کافر بھی دیکھ لیں گے۔

(غ) زہری بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آنا کچھ عرصہ کے لیے
بند ہو گیا آپ بہت غمگین تھے، آپ پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر چڑھنے لگے تاکہ وہاں سے گر جائیں
لیکن جب وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو جبرئیلؑ نمودار ہوئے اور کہا کہ آپ اللہ کے
رسول ہیں اس سے آپ کی بے چینی دور ہو جاتی اور اپنے آپ میں ہو جاتے۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں بیان کرتے اور کہا کہ میں
ایک روز ٹہل رہا تھا کہ میں نے اس فرشتہ کو دیکھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا
وہ ایک کرسی پر تھا، جو آسمان اور زمین کے بیچ میں تھی، میں خوف زدہ ہوا، اور
خدیجہؓ کے پاس آیا اور کہا مجھکو ڈھانک دو۔

(ق) ہم نے آپ کو ڈھانک دیا یعنی آپ کے اوپر دثر ڈال دیا، خدا نے اس کے بعد
یہ آیت اتاری۔ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ
فَطَهِّرْ ۝ (اے اوڑھ کر لیٹنے والے اٹھ، خبردار کر، اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کر،
اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔

(ک) الزہری کا بیان ہے، آپ پر جو آیتیں پہلے اتریں وہ اِقْرَأْ بِاسْمِ

رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

منٹگمری واٹ اتنا لکھنے کے بعد یہ بھی تحریر کرتے ہیں، الزہری نے جو ابن شہاب
کے نام سے بھی جانے جاتے تھے، یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے رک جانے کے سلسلہ میں فرمایا کہ جب
میں ٹہل رہا تھا...... یہاں تک لکھنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں، کہ اس روایت میں راوی
کے بدلے ہوئے نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، اور یہ کہا گیا کہ مجھے ڈھانکو اور دثار اڑھا دیا گیا
یہاں پر مصنف نے پوری روایت نقل نہیں کی، پوری روایت یہ ہے،

میں چہل قدمی کر رہا تھا، میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنا سر اٹھایا،
تو وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، وہ ایک کرسی پر بیٹھا تھا، جو زمین اور
آسمان کے درمیان تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں اس سے ڈرا،
میں گھر آیا، اور کہا مجھے ڈھانکو، مجھے ڈھانکو، تو لوگوں نے مجھے چادر اڑھائی، پھر اللہ نے
یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ
فَطَهِّرْ ۝ (مدثر ۱ تا ۴)

اے (محمدؐ) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو اٹھو
اور ہدایت کرو اور اپنے پروردگار
کی بڑائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو

آپ فرماتے ہیں، کہ پھر وحی مسلسل آنے لگی۔

اتنا کچھ حذف کرنے کے بعد مصنف کا بیان ہے کہ جابر کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے
کہ سورہ المدثر پہلی وحی ہے، (ص ۴۱-۴۰)

اب سوال یہ ہے کہ مصنف نے بخاری شریف کی روایت کے بجائے طبری کا سہارا کیوں لیا بخاری شریف کی حدیثیں طبری کی منقولہ حدیثوں سے زیادہ معتبر اور مستند ہیں بخاری شریف اور طبری دونوں کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ پہلے اقرأ والی آیتیں نازل ہوئیں۔ پھر کچھ دنوں وحی کا آنا رک گیا، پھر جب آئی تو پہلے المدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔

اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی بحث چھیڑ دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ محمدؐ کی نبوت کا آغاز رویائے صادقہ سے ہوا۔ اور یہ بتاتے ہیں کہ خواب اور رویائے صادقہ میں فرق ہے، اور وہ سورۃ النجم کا سہارا لیتے ہیں، جس کے انگریزی ترجمہ سے وہ خود گمراہ ہوئے ہیں، اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔ اس سورہ میں رویائے صادقہ کا مطلق ذکر نہیں بلکہ وحی کا لفظ آیا ہے۔ اس سورہ کی جن آیتوں کا انگریزی ترجمہ ہے ان کو ذیل میں نقل کر کے ہم اپنے ناظرین کے لیے اردو ترجمہ بھی دے رہے ہیں، جو مولانا مودودی کا کیا ہوا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ	قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب
صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَ	ہوا تمھارا رفیق نہ بھٹکا ہے، نہ بہکا ہے
مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى	وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا،
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ	یہ تو ایک وحی ہے، جو اس پر نازل
الْقُوٰى، ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى	کیجاتی ہے، زبردست قوت والے
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى، ثُمَّ	نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحب حکمت
دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ	ہے، وہ سامنے آکھڑا ہوا جب کہ
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى	وہ بالائی افق پر تھا، پھر قریب آیا،

اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى، مَا كَذَبَ	اور اوپر معلق ہو گیا، یہاں تک کہ
الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ	دو کمانوں کے برابر، یا اس سے
عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ	کچھ کم فاصلہ رہ گیا، تب اس نے
رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ	اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، عِنْدَهَا	بھی اسے پہنچانی تھی، نظر نے جو کچھ
جَنَّةُ الْمَاْوٰى، اِذْ يَغْشَى	دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہیں
السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ	ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے
الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى	جھگڑتے ہو، جسے وہ آنکھوں سے
مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى	دیکھتا ہے، اور ایک مرتبہ پھر اس
(نجم ۔ رکوع ۱)	نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کو
	اترتے دیکھا، جہاں پاس ہی جنت
	الماویٰ ہے، اس وقت سدرۃ المنتہیٰ
	پر چھا رہا تھا، جو کچھ چھا رہا تھا، نگاہ
	چندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی اور
	اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں

منٹگمری نے جو انگریزی ترجمہ نقل کیا ہے، اس میں مَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى کا کس قدر تعجب انگیز ترجمہ دیا ہے۔

It is nothing but a Suggestion--Suggested.

لیکن جارج سیل نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے،

Neither doth he speak of his own will. It is no other than a revelation which has been revealed unto him.

دونوں ترجموں میں کتنا فرق ہے۔ منٹگمری کے ترجمے میں اور باتیں حذف کر دی گئی ہیں ترجمے کی آخری سطریں یہ ہیں،

He saw him too at a second descent by the Sidra tree at the boundary, near which is the garden of abode. When the Sidra tree was strengaly enveloped, the eye turned not aside, nor passed its limits. Verily he saw one of the greatest signs of his Lord

ہمارے ناظرین کے سامنے اوپر قرآن مجید کی آیتیں ہیں، وہ دیکھ لیں کہ اوپر کا انگریزی ترجمہ کہاں تک صحیح ہے۔ جارج سیل کا ترجمہ یہ ہے،

One mighty in Power, en ued with understanding taught it him and he appeared in the highest parts of the horizon. Afterwards he approached the prophet, until he w

was at a distance of two length or get nearer and he revealed unto his servant that which he revealed. The heart of Mohammad did not falsely represent that which he saw. Will ye therefore dispute with him concerning that which he saw? He also saw him another time by the late tree beyond which there is no passing near it is the garden of eternal abode. When the late tree covered that which it covered, his eyesight turned not aside, neither did it wander, and he really beheld some of the greatest signs of the Lord.

. . . .

. . . .

منٹگمری نے بیچ کا وہ حصہ حذف کر دیا ہے جس میں یہ ہے کہ اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہونچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی، وہ وحی کے لفظ کو اس لئے نظرانداز کرنا چاہتے تھے کہ پھر یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کلام پاک وحی کے ذریعہ نازل ہوا اس کے بعد vision، true vision اور dream کی بحث نہیں،

چل سکتی تھی، وہ اپنی بحث میں جو کچھ کہتے ان کو کہنے کا حق تھا اگر قرآن کی آیتوں کا سہارا لیکر اپنے دعوئی کو مستحکم کرنے کی فکر میں انھوں نے فریب اور تدلیس سے کام لیا اور ایک ایسا ترجمہ پیش کیا، جس میں "وحی" کا ترجمہ ہی نہیں آنے پایا ہے، اگر انھوں نے نیک نیتی سے ترجمہ پر بھروسہ کیا ہے تو ترجمہ کی نوعیت زیر بحث آجاتی ہے، جارج سیل نے کلام پاک کا ترجمہ کرتے وقت اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یورپ کے زیادہ تر ترجمے قابل اعتبار نہیں ہیں

منٹگمری واٹ نے قرآن مجید کا ایک غلط ترجمہ پیش کرکے یہ بحث بھی چھیڑ دی ہے کہ پیغمبر اسلام نے اس وقت اللہ کو یا جبرئیل کو دیکھا، وہ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسکے مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس وقت جبرئیل نمودار ہوتے تھے جارج سیل نے بھی اپنے ترجمہ کے فٹ نوٹ میں لکھا ہے، لیکن منٹگمری واٹ کہتے ہیں کہ یہ خیال کرنے کے وجوہ ہیں، خود محمدؐ نے شروع میں یہی خیال کیا کہ وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں، کیونکہ جبرئیلؑ کا ذکر مدنی سورتوں سے پہلے نہیں آیا ہے، الی عبدہ کے معنی تو اللہ کا بندہ ہونا چاہئے، لیکن یہ ترکیب بھدی Awkw-ard سی ہو جاتی ہے، جب تک فعل کے فاعل میں خدا سمجھا جائے، پھر حدیث میں جو ذکر ہے کہ حق آیا، اور کہا کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں، تو یہ حق سے خدا ہی مراد ہے، منٹگمری واٹ یہ لکھنے کو تو لکھ گئے، لیکن انھوں نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا پورا جملہ یہ ہے کہ حق آیا اور کہا کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اگر حق سے مراد خدا ہے، تو پھر یہ ہونا چاہیے کہ حق آیا اور کہا اے محمد! آپ ہمارے رسول ہیں۔ اور پھر جابر کی تفسیر کا سہارا لے کر آگے جو کچھ کہتے ہیں، وہ اس قدر گنجلک ہو گیا ہے، کہ اس کا سمجھنا آسان نہیں، کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتے ہیں، انھوں نے سورہ والنجم کی ایک آیت کے معنی بھی بدلنے کی کوشش کی ہے، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی

کے معنی تو یہ ہیں کہ اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں، مگر ان کا خیال ہے، کہ اسکے معنی یہ بھی لیے جا سکتے ہیں کہ محمد نے جو کچھ دیکھا، وہ خدا کے جمال اور عظمت کی نشانی تھی ان کے مذکورہ بالا ترجمہ میں اس آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی کا ترجمہ نہیں ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہیں ملایا، مگر وہ یہ کہتے ہیں، کہ یہ آیت شاید بعد میں بڑھا دی گئی، وہ شاید لکھنے میں بڑے ماہر ہیں یہاں بھی اس مہارت سے فائدہ اٹھایا ہے یہ لکھ کر وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے اس بات کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا تھا، اس کو ان کے دل نے اشاری صورت symbolic میں دیکھا، مصنف نے معلوم نہیں یہ کہاں سے معلوم کر لیا، کہ محمد کا یہ خیال تھا، کہ انھوں نے شروع میں خدا کو دیکھا اس پر وہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا یہ خیال بالکل صحیح تو نہ تھا لیکن ایسا خیال کرنے میں انھوں نے غلطی بھی نہیں کی اپنے ان کا خیال ہے کہ آیت کا یہ ترجمہ ہونا چاہئے، ان کے دل نے اس کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی، جو انھوں نے دیکھا، ان کو اصرار ہے، کہ محمدؐ نے جبرئیلؑ کو نہیں دیکھا تھا، بلکہ خدا ہی کو دیکھا تھا، اگرچہ حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا بھی حوالہ دیتے ہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں دیکھا تھا، اس روایت کے بعد مصنف کا یہ ثابت کرنا کہ محمد نے خدا کو دیکھا کہاں تک صحیح ہے، بات یہ ہے کہ مصنف شروع سے آخر تک اپنی تحریروں کے ذریعہ سے پُرفریب انداز میں دکھانا چاہتے ہیں کہ کلام پاک کلام الٰہی نہیں ہے، نہ یہ الہامی ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی، اس لیے سورۂ والنجم کی مذکورۂ بالا آیتوں میں وحی کا لفظ جو دوبار آیا ہے، اس کو نظر انداز کرکے مصنف نے ایسے ترجمہ کو ترجیح دیا جس میں وحی کا ترجمہ کرنے سے انحراف کیا گیا، اور ایسے Vision - Divine eruption اور آگے چل کر dream True vision

وغیرہ کی اصطلاحات کی گنجلک بحث کرکے اپنے ناظرین کے ذہن کو گنجلک بنانے کی کوشش کی، مورخانہ اور دیانت دارانہ تجزیہ تو یہ تھا کہ وہ صاف صاف لکھتے کہ محمدؐ کے پیروؤں کا خیال ہے، کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے، جو وحی کے ذریعہ سے محمدؐ پر نازل ہوا، مگر اس کو یہودی اور عیسائی تسلیم نہیں کرتے، بات یہاں پر ختم ہو جاتی، پھر ان کو اسلام کا مورخانہ ناقدانہ اور عاقلانہ مطالعہ کرکے اپنی تحریروں کا پشتارہ لگانے کی ضرورت نہ ہوتی، گذشتہ ۱۴ سو سال سے عیسائی مصنفین نے اسلام اور اس کے پیغمبر کے خلاف کتابوں پر کتابیں لکھ کر انبار لگا دیا ہے، مگر ان کے منشا کے مطابق مسلمان ان تحریروں سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام سے منحرف تو نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ دنیا میں ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، اور کیا عجب کہ کسی زمانہ میں عیسائیوں سے زیادہ ان کی تعداد بڑھ جائے۔ اور اگر یہ کتابیں عیسائیوں کے لیے لکھی گئی ہیں، تو ان کے لیے ایسی کتابیں لکھی جائیں یا نہیں، وہ اپنے مذہبی عقیدہ کی بنا پر اسلام کے منکر اور مخالف بہرحال رہیں گے۔

غار حرا اور تحنث کی بحث آتی ہے، تو مصنف ایک بار اپنے قیاسات بروئے کار لاتے ہیں۔ ایک صفحہ کی بحث میں might be, must have been, hypothetically, Probably, evidently, may have, apparently, Presumably, seem to have been.

جیسے الفاظ کے سہارے اپنی مورخانہ تحقیق کا نمونہ پیش کیا ہے۔ پوری کتاب میں ایسے الفاظ کی بھرمار ہے، اور جتنی بار ان کا استعمال ہوا ہے، ان کو ایک ساتھ جمع کر دیا جائے

تو معلوم نہیں کتنے اوراق سیاہ کرنے پڑیں، وہ اسی قیاس آرائیوں کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ محمد غار حرا میں مکہ کی گرمی سے بچنے کے لیے جاتے ہوں، یا یہودیوں اور عیسائیوں کے راہبوں سے متاثر ہو کر تنہائی کی تلاش میں گئے ہوں، یا وہاں عبادت کرکے اپنے گناہوں کی تلافی کرتے ہوں، پھر لکھتے ہیں کہ روایاتی طور پر اس طرف ذہن کو منتقل کر لیا جاتا ہے کہ اس عزلت نشینی میں vision ظاہر ہوا، لیکن محمد کی پکار کی تاریخیں غیر متعین ہیں، کبھی یہ خلاف امید ظاہر ہوتی، کبھی خدیجہ اس موقع پر ان سے زیادہ دور نہ ہوتیں، اب اس تحریر سے اندازہ ہوگا، کہ مصنف نے غار حرا کے تحنث کی اہمیت کس طرح کم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے بعد "آپ خدا کے رسول ہیں" کے عنوان پر ڈیڑھ صفحہ کی بحث ہے جس میں حسب معمول Perhaps کا استعمال تین بار اور probable کا دو بار، اور پھر

must have, it would be natural to suppose, might be taken, presumably.

وغیرہ کے الفاظ اور فقروں کا سہارا پھر لیا گیا ہے، لکھتے ہیں کہ۔

> یہ اغلب ہے کہ یہ الفاظ "آپ خدا کے رسول ہیں" ظاہری نہ تھے۔ ممکن ہے کہ یہ خیالی بھی نہ رہے ہوں، بلکہ ذہنی رہے ہوں یعنی یہ الفاظ انھوں نے کانوں سے نہیں سنے اور نہ یہ خیال کیا، کہ وہ سن رہے ہیں، بلکہ یہ الفاظ ابلاغ کا ذریعہ تھے جو ان کے پاس الفاظ کے بغیر پہنچے، الفاظ کی شکل رویا کے بعد دیدی گئی ہو۔ (ص ۴۶)

یہ قیاس صرف اس لیے ہے، کہ یہ ثابت کیا جائے، کہ یہ سب کچھ وحی کے ذریعہ سے نازل نہیں ہوا، قرآن کے الفاظ کو Exterior locution اور نہ

Intellectual بلکہ imaginative locution

Divins irruption یا dream یا vision یا محض locution

intuition of creative یا creative irruption,

وغیرہ جیسے الفاظ اور اصطلاحات کا سہارا لے کر ناظرین imagination

کو گمراہ کیا گیا ہے ۔ نئے نئے الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعہ سے مصنف چاہے جس قسم کی بحث کریں، لیکن یہ کوئی نئی بحث نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اس قسم کی بحث چھیڑی گئی تھی، قرآن مجید میں ہے۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے، کہو اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو خود ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ، اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو، مدد کے لئے بلا لو، اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آتی، اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا، اس کو انھوں نے (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا، اسی طرح تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا، ان میں کچھ لوگ ایمان لائیں گے اور اور تیرا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے، (یعتذرون۔ یونس ۳۰/۱۸)

یہی بات تکرار کے ساتھ کہی گئی، سورہ ہود میں ہے۔

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے، کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمھارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انھیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو، اب اگر وہ (تمھارے معبود) تمھاری مدد کو نہیں پہونچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا

کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، پھر کیا تم اس (امر حق کے آگے) سر تسلیم خم کرتے ہو ؟ (وما من دابۃ۔ ۱۲۔ ہود۔ ۱۱ رکوع ۲/۲)

خود قرآن مجید میں ہے، جب کہ حضرت موسیٰ کو کتاب دی گئی، تو اس پر بھی اسی قسم کا اعتراض ہوا۔

ہم اس سے پہلے موسیٰ کو بھی کتاب دے چکے ہیں، اور اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا، جس طرح آج اس کتاب کے بارے میں کیا جا رہا ہے جو تمھیں دی گئی ہے، اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان بھی کا فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا، یہ واقعہ ہے کہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک اور خلجان میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تیرا رب انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے کر رہے گا، یقیناً وہ ان کی سب حرکتوں سے باخبر ہے، پس اے نبی تم اور تمھارے وہ ساتھی جو (کفر، بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو۔ (ہود۔ ۱۱۔ رکوع ۱۴/۹)

مصنف نے وحی کی قسم کی بحث چھیڑ کر یہ سمجھنے پر مجبور کیا ہے کہ دنیا میں کسی ایسی کتاب کا وجود نہیں جو وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی، مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے، کہ فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے آتا ہے، اور اس کے منہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہیں، جن کو سن کر نبی محفوظ کر لیتا ہے، اس کو وحی کہتے ہیں، قرآن پاک کا نزول اسی طریقہ سے ہوا ہے، وحی کی اور قسمیں بھی ہیں، جیسا کہ سورہ شوریٰ۔ ۵۔ میں ہے کہ کسی آدمی کی یہ تاب نہیں، کہ اللہ اس سے بات کرے، لیکن وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے

یا کسی قاصد کو بھیجے، تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے، اس کو وحی کر دیتا ہے۔

(سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۶۴)

یہ مسلمانوں کا کھلا ہوا عقیدہ ہے، جس میں "شاید اغلب ہے، خیال ہے، ایسا ہو رہا ہوگا" وغیرہ جیسے الفاظ کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں، اور منٹگمری واٹ جیسے مصنف کو حق نہیں ہے، کہ مسلمانوں کو مجبور کریں، کہ وہ ایسے عقیدہ کے قائل نہ ہوں، وہ ایک عیسائی یا عیسائیت کے ایک مبلغ ہونے کی حیثیت سے اسلام یا اور دوسرے مذاہب کے خلاف جتنا بھی چاہیں زہر اگلیں، ان کو کوئی روک نہیں سکتا، لیکن اپنی تحریر کو مورخانہ یا معروضی کہہ کر گمراہ نہ کریں، ورنہ ان کی طرف سے کھلی ہوئی دعوت ہوگی، کہ مسلمان ان ہی دلائل اور ان ہی الفاظ کے ساتھ عیسائیت کو بھی اسی طرح داغدار کریں، جس طرح وہ اسلام کو کرنا چاہتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ موجودہ انجیل کے الفاظ اللہ تعالےٰ کے نہیں سمجھے جاتے ہیں، تو پھر وہ قرآن کی برتری کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ کلام اللہ ہے، اسی لئے اپنی پُر فریب تحریروں کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ خود رسول کے ہیں، مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ توریت، زبور اور انجیل سب وحی کے ذریعہ سے نازل کی گئیں، اس کی تصدیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے، قرآن میں ہے:۔

ہم نے اس سے پہلے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی اور اسے بنی اسرائیل کا ذریعۂ ہدایت بنایا تھا۔

ہم ہی نے داؤدؑ کو زبور دی تھی۔

ہم نے اسکو یعنی حضرت عیسیٰؑ کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی (المائدہ - ۵)

پھر ایک عمومی بات اس طرح کی گئی ہے کہ

اے نبی تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے، تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو (الانبیاء - ۲۱)

مستشرقین آج قرآن مجید کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ خود رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی کہا گیا، قرآن مجید میں ہے:

رسولوں کو ہم نے اس کام کے سوا اور کسی غرض کے لئے نہیں بھیجا کہ وہ بشارت اور تنبیہ کی خدمت انجام دیں، مگر کافروں کا یہ حال ہے کہ وہ باطل کے ہتھیار لے کر حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور انھوں نے میری آیات کو اور ان تنبیہات کو جو انھیں کی گئیں، مذاق بنا لیا ہے، اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے، اور وہ ان سے منھ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے، جس کا سروسامان اس نے اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے، (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے، ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دئے ہیں، جو انھیں قرآن کی بات سمجھنے نہیں دیتے اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے، تم انھیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے

(سبحان الذی - ۱۵) باقی

علمائے کشمیر کی فقہی خدمات

از

ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری، شعبۂ عربی امر سنگھ کالج سرینگر کشمیر

(۲)

مولانا معین الدین بن خواجہ خاوند محمود اور الفتاوی النقشبندیہ

مولانا معین الدین، خواجہ خاوند محمود نقشبندی کے فرزند تھے، خواجہ صاحب کو جہانگیر اور شاہجہاں کے دربار میں اتنا قرب حاصل تھا کہ بلا جھجک حرم خانہ میں داخل ہوتے تھے، وہ نامور روحانی پیشوا اور مصلح تھے، اُن کا مقبرہ لاہور میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے[۱]

مولانا معین الدین صاحبؒ کی ولادت کشمیر میں ہوئی تھی، علوم کی تحصیل پہلے اپنے نامور والد سے کی، پھر دہلی آئے اور یہاں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے سلسلہ درس میں داخل ہوئے، ان سے فقہ اور حدیث کا درس لیا اور فراغت کے بعد کشمیر لوٹے، یہاں درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، ارشاد و تربیت اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہوئے۔ ۲ر محرم ۱۰۸۵ھ میں انتقال کیا[۲]۔ خواجہ بازار سرینگر میں آرام فرما ہیں، ان کی قبر مرجع خلائق ہے۔

شیخ معین الدین صاحب بھی حنفی المسلک اور نقشبندی المشرب تھے اور بدعات

[۱] نقوش، لاہور نمبر ص ۳۱۹ تا ۳۲۳، حدائق حنفیہ، نول کشور ۱۹۰۶ء: ص ۴۲۱

[۲] نزہتہ الخواطر: ج ۵، ص ۴۰۷

و رسوم کے خلاف جہاد میں برابر مشغول رہتے تھے، مولوی غلام سرور لاہوری مرحوم نے صحیح لکھا ہے،

در زہد و تقویٰ و اتباعِ شریعت — زہد و تقویٰ، شریعت کی
و ترویج سنت و ترفیع بدعت — پیروی، سنت کی ترویج اور بدعت
ثانی نداشت[۱] — کے خاتمہ میں بے مثال تھے۔

حضرت شیخؒ بلند پایہ مصنف تھے[۲]، تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف پر عربی و فارسی میں متعدد ضخیم کتابیں لکھی ہیں، ان کی حسب ذیل کتابیں آج بھی موجود ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے ہیں۔

(۱) زبدۃ التفاسیر (عربی) (۲) شرح القرآن (فارسی) (۳) الفتاویٰ النقشبندیہ (عربی) (۴) کنز السعادۃ (فقہ بزبانِ فارسی) (۵) الرضوانی (تصوف) (۶) ردّ الملاحدۃ (علم کلام بزبان عربی)

عہد مغلیہ میں کشمیر کے علمائے فقہ اور اصولِ فقہ پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں الفتاویٰ النقشبندیہ خاص اہمیت رکھتی ہے، اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے لئے حضرت شیخؒ نے کشمیر کے پانچ سربرآوردہ علماء اور فقہاء کی ایک انجمن قائم کی تھی جن کے نام یہ تھے:

(۱) ملا محمد طاہر: یہ مشہور محدث شیخ حیدر ششلو کشمیری کے فرزند تھے۔ الفتاویٰ میں کتاب الصلوٰۃ سے کتاب البیوع تک انھوں نے ہی مواد جمع کیا ہے۔

(۲) مولانا ابو الفتح کلو: یہ بھی شیخ حیدر کے تلمیذ رشید تھے، فقہ، اصول اور عربی زبان و ادب میں وسیع نظر رکھتے تھے، خصوصاً فقہی مسائل کے استنباط و استخراج میں بڑی مہارت رکھتے تھے، درسی کتابوں پر شروح کے علاوہ کئی مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں سیف اللسانین اپنے وقت میں بڑی مقبول ہوئی تھی، یہ کتاب ردّ شیعیت میں ہے، مولانا کا انتقال ۱۱۰۲ھ

[۱] خزینۃ الاصفیا ج ۱، ص ۴۴۲ ۔ [۲] ان کی تصانیف کے تعارف کے لئے حکیم محمد عمران خاں صاحب کا مضمون "معین بن محمود کشمیری اور ان کی تصانیف" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، معارف بابت مارچ ۱۹۶۷ء

میں ہوا تھا، سرینگر میں مقبرہ سلطان زین العابدین میں آسودۂ خاک ہیں[۵۱]

(۳) مولانا محمد یوسف: یہ خواجہ خاوند محمود (والدِ شیخ معین الدین صاحب) کے محب صادق تھے، فقہ کے اصول و فروع میں استحضار کے ساتھ معانی اور منطق کے فاضل جلیل بھی تھے، اپنے ہم عصر کشمیری علماء، مولانا فاضل اور مولانا عبد الرزاق سے مناظرے میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے اور اُن پر اکثر غالب آتے تھے، درس و تدریس کے مشغلے سے ہمیشہ وابستہ رہے اسی وجہ سے مدرس بھی کہلاتے تھے[۵۲]

مولانا غلام نبی ابن مفتی شیخ احمد کے حالات کسی تذکرہ نگار نے قلمبند نہیں کیے ہیں،

اس کتاب کی تالیف میں مرتبین نے فقہ کی جو اہم کتابیں پیش نظر رکھی ہیں ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) کتاب الخلاصہ: (افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری)۔ (۲) خزانۃ المفتین: (حسین بن محمد السمعانی) (۳) الفتاوی الظہیریہ: (ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی المحتسب م سنہ ۶۱۹ھ) (۴) فصول الاشتروشنی: (محمد بن محمد الاشتروشنی حنفی م سنہ ۶۳۲ھ) (۵) الفتاوی السراجیۃ: (علی بن عثمان الاوشی الفرغانی) (۶) قاضی خاں: (فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی م سنہ ۵۹۲ھ) (۷) منیۃ المصلی: (شیخ سدید الدین الکاشغری) (۸) الفتاوی الحمادیہ: (ابو الفتح رکن بن حسام الدین المفتی الناگوری) (۹) خزانۃ الروایات: (قاضی جکن الہندی م سنہ ۹۲۰ھ) (۱۰) فتاوی ابراہیم شاہیہ: (شہاب الدین احمد بن محمد معروف بہ نظام الجیلانی) (۱۱) جامع الرموز: (شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی م سنہ ۹۱۶ھ) (۱۲) تحفۃ الفقہاء: (علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی) (۱۳) دستور القضاۃ: صدر بن رشید بن صدر

---

[۵۱] تذکرۂ علمائے ہند: ص ۶، حدائق حنفیہ: ص ۴۲۵، خزینۃ الاصفیاء ج ۲، ص ۳۵۸
[۵۲] تاریخ اعظمی: ص ۱۴۸ و نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۴۲

التبریزی معروف بہ قاضی خواجہ) (۱۴) حسب المفتی: (قاضی ابو المعالی بن خواجہ البخاری)

ان اہم فقہی کتابوں کے علاوہ ہدایہ، کافیہ، غُنیہ، شرح وقایہ، فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ مشہور و متداول کتابوں سے بھی جگہ جگہ استفادہ کیا گیا ہے۔

شیخ معین الدین صاحب سلطان اورنگ زیب کی مذہبی حمیت سے بہت متاثر تھے انھوں نے یہ شاندار تالیف عالمگیر کے نام معنون کی ہے، اس سے پہلے اپنی تفسیر بھی اسی کے نام معنون کی تھی۔

ملا محمد محسن کشمیری: حاشیہ علی الہدایہ | بارہویں صدی ہجری کے عالم اور مصنف تھے، فقہ اور کلام دونوں پر کتابیں لکھی ہیں، مذکورہ حاشیہ کے بارے میں ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے لکھا ہے کہ یہ دہلی میں موجود ہے[۵۳]

مفتی ابو الوفا کشمیری: کتاب الفقہ | مفتی صاحب صاحب افتا بزرگ تھے، مولانا محمد اشرف چرخی اور مولانا امان اللہ کے تلمیذ رشید تھے، مولانا اکبر خاں کی سفارش پر بادشاہِ وقت کے مقرب ہو کر معزز دینی منصب پر فائز ہوئے، فقہ میں ان کی مشہور تصنیف کتاب الفقہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ریاستی ریسرچ لائبریری (سرینگر) میں موجود ہے، کتاب میں بڑی بے ترتیبی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقہ سے متعلق افادات اور حواشی کا مجموعہ ہے جو مفتی صاحب نے مختلف وقتوں میں یادداشت کے طور پر نوٹ کئے تھے، ۹ محرم سنہ ۱۱۶۹ھ میں انتقال کیا اور مزار شعراء میں دفن کئے گئے[۵۴]،

ملا نور محمد کشمیری: حاشیہ علی حاشیۃ السیالکوٹی علی التلویح | ملا صاحب فقہ اور کلام کے متبحر عالم تھے[۵۵]، مذکورہ حاشیہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے حاشیۂ توضیح و تلویح کی تحلیل و تشریح ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ اس حاشیہ (حاشیہ نور محمد کشمیری) کا ایک نسخہ رامپور میں موجود ہے[۵۶]

---

[۵۳] عربی لٹریچر ہندوستان میں (انگریزی): ص ۲۷۹ [۵۴] الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند: مولانا عبد الحی: ص ۱۰۹، تاریخ حسن ج ۳ ص ۳۶۴۔ [۵۵] ڈاکٹر زبید احمد کی انگریزی تصنیف: ص ۲۸۴

۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا محمد امین گانی کشمیری: حاشیہ علی شرح تہذیب یہ کشمیر کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے، فقہ ان کا خاص موضوع تھا۔ فرائض پر نظم و نثر میں رسالے لکھے ہیں، مولانا عنایت اللہ شال جیسے عالم انہی کے شاگرد تھے۔

مولانا محمد امین نے علم و فضل کے باوجود بڑی عسرت کی زندگی گزاری۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ ان کی چار بیٹیاں تھیں جن کا نکاح کرنے میں جہیز کی وسعت نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، تلاش معاش کے لئے ایک مرتبہ دہلی کا سفر کیا، گھر پر اُن کی ۲ دو بیٹیاں بیمار ہوئیں اور اچانک دوا کے بدلے زہر کھا گئیں۔ دہلی ہی میں مولانا نے خواب دیکھا کہ کوئی یہ بشارت دے رہا ہے کہ ہم نے تمہاری ضرورت پوری کر دی، کشمیر لوٹ کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کرو، وہ وطن لوٹے اور خواب کی عملی تعبیر دیکھ لی،[1] یہ آپ کے زاہد و عابد ہونے کی بھی زندہ علامت ہے، ۱۱۹۰ھ میں شب قدر میں انتقال کیا۔ شرح تہذیب پر آپ کا حاشیہ تاحال مفقود ہے۔

تعلیقات ابو ابراہیم رفیقی کشمیری ابو ابراہیم مشہور بزرگ یحییٰ بن معین الدین رفیقی کے فرزند تھے، ۱۲ ذو الحجہ ۱۱۹۳ھ میں تولد ہوئے، اپنے دادا معین الدین سے قرآن حکیم پڑھا، پھر درسی کتابوں کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور آخر تک انہی کے دامن علم و تربیت سے وابستہ رہے، خود بھی علوم متداولہ کے ماہر ہوئے، فقہ کی دو عظیم کتابوں پر ان کی تعلیقات ہیں جو ان کا بڑا کارنامہ ہے، یہ دو کتابیں امام محمد بن حسن شیبانی کی الجامع الصغیر اور علامہ ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر ہیں،[2] شیخ ابو ابراہیم سے جن ممتاز اہل علم نے استفادہ کیا ہے اُن میں مفتی قوام الدین مفتی ہدایت اللہ

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۳۵۹، حدائق حنفیہ: ص ۴۳۰۔ تذکرہ علمائے ہند: ص ۱۸۲۔
[2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۲۰

سید کمال الدین اندرابی اور مولانا محب اللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۲۱۲ھ میں انتقال کیا۔[1]

ملا حیدر ریشلو: نور السراج مشہور عالم مولانا جمال الدین کے فرزند تھے، روحانی تربیت اپنے نانا سید حیات خاں سے پائی، ایک اور بزرگ شیخ اکبر ہادی سے بھی فیض حاصل کیا تھا، مورخ حسن اپنے زمانے کے علمائے کشمیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تقریباً سب کے سب اُن کے شاگرد رہ چکے ہیں، ۲۱ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ میں انتقال ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ نور السراج کے نام سے سراجی کی شرح لکھی، طلبہ کی سہولت کے لئے سراجی کا منظوم فارسی ترجمہ بھی کیا، اس کے علاوہ فقہ میں ان کی ایک اور تصنیف غرائب الرغائب کا نام بھی ملتا ہے،[2]

مولانا کریم اللہ اور ان کی فقہی خدمات مولانا کریم اللہ بن خلیل اللہ کشمیری کے بارے میں کشمیر کی تاریخیں اور تذکرے خاموش ہیں، انھوں نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے فتاویٰ کے ایک مجموعہ کی جمع و ترتیب کا کام انجام دیا۔ یہ مجموعہ ایک ضخیم جلد پر مشتمل ہے۔ جس میں مولانا عبد الحی بن ہبۃ اللہ بڑہانویؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہید صاحب دہلویؒ کے فتاویٰ بھی ہیں۔ مولانا کریم اللہ نے یہ خدمت ۱۲۵۳ھ میں انجام دی (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، ص ۱۰۹ - ۱۱۰)

مولانا صدر الدین آزردہ: الدر المنضود صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کشمیری دہلوی جیسی سربرآوردہ علمی شخصیت پر یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی زندگی اور علمی کمالات پر مفصل مضامین اور مقالات لکھے جا چکے ہیں۔[3] فقہ میں اُن کا رسالہ الدر المنضود فی حکم امرأۃ المفقود ان کے علم و تفقہ کا ثبوت ہے جس میں مفقود الخبر مرد کی بیوی کے شرعی حکم

[1] روضۃ الابرار (قلمی) [2] تاریخ حسن: ج ۳ تذکرہ ملا حیدر [3] مشاہیر کشمیر: محمد الدین فوق ص ۱ تا ۱۲ آثار الصنادید: سر سید احمد خاں ص ۵۲۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۱ حدائق حنفیہ ص ۴۸۱ - ۴۸۴ تذکرہ علمائے ہند: ص ۹۳، گلشن بے خار: ص ۱۰ - ۱۱ اتحاف النبلاء: نواب صدیق حسن خاں ص ۴۳۔

کی وضاحت کی گئی ہے، اور ائمہ متفقہ کے درمیان اس مسئلہ میں جو اختلافات ہیں ان کا محاکمہ کیا ہے، شذر حال پر بھی ان کا ایک رسالہ ہے جس کا براہ راست تعلق تو حدیث سے ہے مگر اس سے بھی مفتی صاحب کی فقہی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا آزردہ نے مفتی اور صدر الصدور کی حیثیت سے بکثرت فتوے دیئے مگر یہ قیمتی علمی ذخیرہ ابھی تک پردۂ خفا ہی میں ہے، میرے استاذ محترم ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو (صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) مفتی صاحب کے فتاوی اور دوسری تحریروں کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، اگر یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا تو اہل علم کے ہاتھوں میں ایک بے بہا چیز آجائے گی، شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے علمائے کشمیر کی چند اہم فقہی تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے، یہ سنیوں کی فقہی تصانیف کا اجمالی تذکرہ تھا، ذیل میں بعض کشمیری الاصل علمائے شیعہ کا آوازۂ شہرت ہندوستان سے گذر کر عراق اور ایران میں بھی پہنچ چکا ہے، اس کا اندازہ آغا بزرگ کی الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ اور العاملی کی اعیان الشیعہ سے بھی ہوتا ہے، یہ علماء جب قم، کربلا، شیراز، نجف وغیرہ تحصیل علم کے لئے وارد ہوئے تو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں کسی سے پیچھے نہ رہے، اسی طرح ہندوستان میں ان کا مرکز و محور لکھنؤ تھا، یہاں وہ مستقل قیام کرتے تھے اور علم کے ہر میدان میں حصہ لیتے تھے۔

احوط: نور بخشی فقہ پر یہ پہلی کتاب ہے جو کشمیر میں لکھی گئی، اس کے مصنف میر شمس الدین عراقی اپنے کو نور بخشیت کے مبلغ کی حیثیت سے ظاہر کرتے تھے، اور احکام و عقائد کی تشکیل نو کے مدعی تھے، اس لئے انھوں نے اپنی کتاب کا نام احوط (Most comprehensive) ...... رکھا، مصنف نے اسے شیعہ حکومت کی پشت پناہی سے کشمیر کا قانون مملکت بنانے کی کوشش کی اور اس کے نفاذ میں سخت جبر و اکراہ سے کام لیا، اس سے پوری مملکت میں خوف و

ہراس اور بغض و نفرت کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ اس کیفیت سے مرزا حیدر دوغلات نے فائدہ اٹھایا اور اپنی فوج کے ساتھ کشمیر وارد ہو کر حکومت و سیاست پر عملاً قابض ہو گیا، اس نے نور بخشی حکومت، مبلغین اور ان کے جبر و ظلم سے نپٹنے کے لئے سب سے پہلے احوط کا ایک نسخہ ہندوستان کے مقتدر علماء کے پاس بھیجا، اور اُن سے مصنف اور تصنیف کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی درخواست کی، علمائے ہند نے جو خیالات ظاہر کئے، انھیں مرزا حیدر دوغلات نے اپنی تصنیف تاریخ رشیدی میں درج کیا ہے، علماء نے صراحۃً اس کتاب کو قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا اور لکھا کہ اس میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو اسلامی فرقوں میں کسی بھی فرقے میں پائی نہیں جاتیں۔ انھوں نے مرزا حیدر کو مشورہ دیا کہ لوگوں کو اس کتاب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر طرح کا بندوبست کرنا چاہئے[51] اور جس نے یہ عقائد قبول کئے ہوں اُسے پہلے قید و بند کے ذریعہ انکار کرانے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے بعد بھی جو ان پر مصر رہیں انھیں موت کی سزا دینی چاہئے[51]۔ مرزا حیدر نسلاً پٹھان اور ایک سخت گیر مذہبی حکمراں تھا، اس نے اس فتوی پر بڑی سختی سے عمل کیا اور نور بخشیوں پر بڑے ظلم ڈھائے اور اس کتاب کے نسخے جمع کرا کر جلوا دیئے وہ خود فخر کے ساتھ لکھتا ہے؛

"اب کشمیر میں ایسا ایک شخص بھی دکھائی نہیں دیتا ہے جو اس نئے مذہب پر عمل کرتا ہو"[52] مگر یہ مرزا حیدر کی خوش فہمی تھی، نور بخشیوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ باطنیت کے قدیم راستے کو اختیار کیا، مرزا حیدر کی انتقام گیری سے اُن کے عقائد میں نہ صرف صلابت آگئی بلکہ بہت جلد مرزا صاحب اور اُن کی حکومت کے خلاف ایک خوفناک جال بھی بُنا گیا جس میں وہ یقیناً اُلجھ گیا، اور نہ صرف اُس کی امارت و حکومت کا خاتمہ ہو گیا بلکہ اُس کو جان سے بھی مارا گیا۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ مرزا حیدر کی دینداری، اصلاحی خدمات، اقتصادی اصلاحات، علماء و صوفیہ کی مرتبہ شناسی اور علم و ادب کی حوصلہ افزائی سے کشمیر

---

[51] تاریخ رشیدی (انگریزی ترجمہ) مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص ۴۳۵ ۔ [52] تاریخ رشیدی: مرزا حیدر دوغلات (انگریزی ترجمہ) ص ۴۳۵

کو اس کے مختصر دورِ حکومت میں بے شمار فائدے بھی پہنچے، اس کی موت کے بعد پھر نوربخشیوں کا زور بڑھا اور . . . . حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر پھر ان کے قبضہ میں آگئی۔

مرزا حیدر نے اَحْوَط کے سارے نسخے بھی تلف کرنے کی کوشش کی مگر اس کے باوجود اس کتاب کے نسخے کہیں کہیں محفوظ رہے۔

اس وقت سراج الاسلام نام کی مبسوط عربی کتاب کہیں کہیں موجود ہے، پروفیسر مولوی محمد شفیع مرحوم و مغفور کا خیال تھا کہ یہی شیعہ فقہ کی مشہور کتاب اَحْوَط ہے۔ ان کے دلائل دو ہیں، اول یہ کہ لداخ کی ایک روایت کے مطابق سراج الاسلام ہی احوط ہے، دوم یہ کہ سراج الاسلام کی تمہیدی سطور بالکل وہی ہیں جو مرزا حیدر نے اپنی تاریخ کے اس استفسار میں درج کی ہیں جو اس نے اَحْوَط کی شرعی حیثیت جاننے کے سلسلے میں علمائے ہند کو بھیجا تھا،[۵۱] سراج الاسلام ۵۱ ابواب پر مشتمل ضخیم کتاب ہے، ۱۳۳۳ھ میں سب سے پہلے متھرا سے شائع ہوئی۔ صفحات کی مجموعی تعداد ۶۲۰ ہے۔

محمد بن عنایت اور ان کی تلخیصات کشمیری الاصل شیعہ علماء میں مرزا محمد بن عنایت احمد خاں اور علامہ تفضل حسین اس قابل ہیں کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی جائیں، اسی زمانے میں دہلی اور لکھنؤ میں ان کی عظمت و احترام کا چرچا تھا۔

مولانا کے والد کشمیر سے دہلی وارد ہوئے اور یہیں ان کی ولادت ہوئی، بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا شوق دامنگیر تھا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے درسی کتابیں پڑھیں، پھر دہلی کے ایک شیعی عالم سید رحم علی سے فقہ کی تحصیل کی اور حکمت حکیم شریف بن اکمل دہلوی سے پڑھی، بحث و مناظرہ اور شیعہ مذہب کی مدافعت مقصد زندگی تھا، اس کے نتیجے میں اپنے

[۵۱] ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین، فروری و مئی ۱۹۲۵ء: مقالہ "فرقہ نوربخشی"

استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی بھی سخت مخالفت کرتے تھے بلکہ ان کی تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ کی تردید میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام النزهة الاثنی عشریة فی رد التحفة الاثنی عشریة تھا، اس حیثیت سے شیعہ فرقہ میں بڑی مقبول ہوئی، اور شیعہ علماء بھی ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، سلطان العلماء سید محمد تراب نے ان کے القاب میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں

حافظ ثغور الملة القویمة — ملت جعفریہ کی سرحدوں کے محافظ
الجعفریة قالع قلاع البدعة — اور ماتریدیہ واشاعرہ کی بدعتوں کا
المحدثة للماتریدیة والاشعرة[۵۲] — قلع قمع کرنے والے تھے۔

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ کشمیر کے اس نامور شیعہ عالم کے سب سے بڑے حریف وہیں کے سب سے نامور سُنّی عالم اور متکلم مولانا رشید الدین خاں کشمیری دہلوی تھے، مولانا محمد بن عنایت کا انتقال ۱۲۳۵ھ میں ہوا، ان کی تصانیف معدوم ہیں، فقہ میں درج ذیل تین مشہور کتابوں کی انھوں نے کافی تلخیص کی تھی:[۵۳] عالمگیری - کافی - ہدایہ

جامع الرضویہ: ملا عبدالغنی کشمیری والد کا نام ملا طالب تھا اور وہ بھی صاحب علم شخص تھے، یہ بارھویں صدی کے علمائے شیعہ میں تھے، جو ہندوستان سے زیادہ بیرونی ممالک میں مشہور ہوئے، ملا عبدالغنی نے شیعہ فقہ کی مشہور و متداول کتاب شرائع الاسلام کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کی شرح بھی لکھی، جو ہند، ایران اور عراق میں مقبول ہوئی، اور مدارس میں داخل نصاب بھی کی گئی، اسی شرح و ترجمہ کا نام جامع الرضویہ ہے، خود لکھتے ہیں

شکر للہ کہ زیں عروج دیں — یافت تالیف ایں خجستہ کتاب
ایں چنیں یادگار دو عالم — دیدہ کم دیدہ اولو الالباب

[۵۲] نجوم السماء: مرزا محمد علی، مطبع جعفری لکھنؤ ۱۳۰۲ھ: ص ۳۵۲ [۵۳] ایضاً ص ۳۶۱ و نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۴۲۰

ملا صاحب کا انتقال ۱۱۶۹ھ میں ہوا اور اپنے آبائی مقبرہ میں سپرد خاک ہوئے۔

رسائل محمد باقر رضوی | محمد باقر بن محمد بن علی بن صفدر بن صالح الرضوی القمی الکشمیری ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں تولد ہوئے اور ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں کربلا میں انتقال کیا۔ عمر رضا کحالہ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

فقیہ، اصولی، ادیب، شاعر، مشارک فی بعض العلوم[1]
وہ فقیہ، اصولی، ادیب، شاعر اور بعض علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔

عقلی علوم ریاضی، ہیئت، منطق اور فلسفہ کی تحصیل لکھنؤ میں علامہ تفضل حسین خاں اور ملا حیدر علی سے کی، پھر عراق کا سفر کیا۔ یہاں نجف میں شیخ کاظم خراسانی، حسن مامقانی اور ملا حیدر علی سے دینی علوم کی تحصیل کی، کچھ مدت سامرا میں رہ کر کربلا آئے، اس کے بعد لکھنؤ واپس ہوئے اور اپنے والد کے مدرسہ سلطان المدارس میں درس دینے لگے، بڑے بڑے علمائے شیعہ کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا، پھر دوبارہ کربلا گئے اور وہیں ۶۰ سال کی عمر میں رحلت کی۔ فقہ میں ان کے درج ذیل تین رسائل یادگار ہیں اور طبع ہو چکے ہیں۔[2]

(۱) الروضۃ الغنا فی حرمۃ الغنا (۲) القول المصون فی فسخ نکاح المجنون (۳) اسداء الرغائب

محمد رضوی: نجاسۃ الماء القلیل | محمد بن علی بن صفدر بن صالح رضوی قمی کشمیری۔ لکھنؤ میں ولادت ہوئی تھی اور کربلا میں ۴ محرم ۱۳۱۳ھ کو انتقال کیا، ان کے والد محمد باقر تھے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، یہ حدیث، فقہ، کلام اور فقہ میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، فقہ میں ماء راکد سے متعلق نجاسۃ الماء القلیل کے نام سے ایک رسالے کا ذکر ملتا ہے۔[3]

---

[1] معجم المؤلفین: ج ۳ ص ۹۴ مطبعۃ الترقی بدمشق ۱۹۶۱ء [2] اعلام الشیعۃ آغا بزرگ طہرانی ج ۱ ص ۱۹۲، ۱۹۳، بروکلمن: ۱۱: ۸۶۳ [3] معجم المؤلفین: ج ۱۱ ص ۱۸

التمرینیۃ: مہدی کشمیری | مولانا مہدی بن حیدر الصفوی مشہور امامی عالم گزرے ہیں، فقہ میں ان کی تصنیف التمرینیۃ العزویۃ فی فروع الفقہ کے نام سے موسوم ہے، انھوں نے نجف میں اپنے قیام کے دوران اس کا مواد جمع کیا۔ پھر کشمیر لوٹے اور یہاں اسکی ترتیب تہذیب کا کام مکمل کیا، جیسا کہ علامہ خیر الدین الزرکلی نے لکھا ہے:

فرغ منہ فی النجف وھذبہ فی کشمیر۔[1]
اسکی تصنیف سے نجف ہی میں فارغ ہو چکے تھے مگر ترتیب و تہذیب کشمیر میں کی۔

مولانا مہدی نے ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں انتقال کیا۔

ترجمہ شرائع الاسلام: سید محمد صادق کشمیری | سید محمد صادق بن محمد باقر الرضوی الکشمیری کے حالات نہیں ملتے، شرائع الاسلام کا اردو ترجمہ روائع الاحکام کے نام سے کیا تھا اور اسی کی بدولت شہرت پائی۔ مولانا عبد الحئی حسنی صاحب نے اپنی تصنیف الثقافۃ میں کُتُب الفقہ فی مذھب الشیعۃ کے تحت اس کا ذکر کیا ہے۔[2]

اقامۃ البرھان: سید ابوالحسن | مولانا سید ابوالحسن بن نقی شاہ کشمیری لکھنوی نامور علمائے ہند میں شمار کئے جاتے ہیں، فقہ میں رسالہ اقامۃ البرھان فی حلیۃ القہوۃ والغلیان اور اصول فقہ میں اسعاف المامول شرح زبدۃ الاصول ان کی علمی یادگار ہیں۔[3]

سید علی شاہ کشمیری | سید علی شاہ ہجرت کر کے عراق چلے گئے تھے مگر پورے بارہ سال کے بعد حکیم مہدی علی خاں کشمیری نے انھیں فرخ آباد بلا کر امامت کا منصب سپرد کیا، جب مہدی علی فرخ آباد سے لکھنؤ آئے تو سید علی شاہ ان کے ہمراہ تھے، بالآخر وہیں ۲۵ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] الاعلام: ج ۸ ص ۲۵۷ [2] الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۲۲، [3] ایضاً،

وہ شیعہ علماء میں متبحر فقیہ کی حیثیت سے بڑی عزت و احترام کے مالک تھے، حکیم اکبر شاہ انکے بارے میں لکھتے ہیں:

کان عالماً فاضلاً طویل الباع	وہ عالم و فاضل اور فقہ و اصول
فی الفقه والاصول لاباس	میں ید طولیٰ رکھتے تھے، اگر میں
بان اقول انه کان ملك	انھیں فقہاء کا بادشاہ کہوں تو
المتفقهین۔[1]	یہ نامناسب نہیں ہوگا

مُلّا علی بادشاہ کشمیری | مولانا عبدالحکیم راست گو کے شاگرد تھے، کشمیر میں تولد ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ پھر فیض آباد آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی، انھوں نے نماز پنجگانہ اور جمعہ کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے فیض آباد کے شیعوں کو ترغیب دلائی، اور اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، انھوں نے باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جسمیں احادیث اور شرعی دلائل کی روشنی میں اپنا موقف پیش کیا ہے، نواب آصف الدولہ اور اس کے وزیر سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں سے ان کے اچھے تعلقات تھے، ان دونوں نے نماز باجماعت کی تحریک و ترغیب میں مُلّا صاحب کی بڑی مدد کی، مذکورۂ بالا رسالہ کے علاوہ انھوں نے کئی اور رسالے بھی لکھے تھے مگر وہ تلف ہوگئے،[2] تبلیغ دین کے ساتھ درس و تدریس کا شغل بھی رکھتے تھے۔ حکیم سید اکبر لکھتے ہیں:

کان یشیع مسائل الحلال	وہ حلال و حرام مسائل کی اشاعت اور
والحرام ویرشد الانام باصول	دین کے اصول و فروع کو سمجھانے میں
الدین وفروعه شاغلاً بترویج	لوگوں کی ہدایت کرتے تھے، شریعت کے
الاحکام الشرعیة وتدریس	احکام پھیلانے اور اصول و فروع مسائل
المسائل الاصلیة والفرعیة[3]	سکھانے میں مشغول رہتے تھے۔

---

[1] سبیکۃ الذھب: ص ۸۴، مطبع اثنا عشری ۱۳۰۵ھ [2] نجوم السماء: مولوی مرزا علی کشمیری مطبع جعفری لکھنؤ ۱۳۰۲ھ [3] سبیکۃ الذھب: ص ۵۹

مراۃ الاسرار کا ایک جائزہ

از جناب معین احمد صاحب علوی، کاکوری، لکھنؤ

(۲)

"اس مضمون کی پہلی قسط جولائی ۸۳ء کے معارف میں شایع ہوئی تھی، اسکے بعد بعض ضروری مضامین کی وجہ سے اسکی گنجایش نہیں نکل سکی اور غیر معمولی تاخیر ہوگئی جس کیلئے ہم کو مضمون نگار سے شرمندگی ہے" "م"

طبقۂ نہم (نواں طبقہ) مجملے از احوال خواجہ علو دینوری و ذکر خواجہ جنید بغدادی وغیرہ (ص ۸۴۵ سے ۸۹۲ تک) اس طبقہ میں دس بزرگوں کے حالات ہیں،

حضرت خواجہ علو دینوری، ذکر حضرت خواجہ جنید بغدادی، ذکر حضرت خواجہ ممشاد دینوری، ذکر حضرت خواجہ ابو سعید خزاز، ذکر حضرت خواجہ ابو عثمان حیری، ذکر حضرت خواجہ ابو العباس احمد بن محمد مروق، ذکر حضرت خواجہ ابو محمد رویم، ذکر حضرت خواجہ ابو الحسن نوری، ذکر حضرت خواجہ حمدون قصار، ذکر حضرت خواجہ محمد عثمان مکی،

طبقۂ دہم (دسواں طبقہ) از احوال مجملی ابو اسحٰق چشتی و ذکر خواجہ ابوبکر شبلی وغیرہ (ص ۸۶۳ سے ۹۳۳ تک) اس میں دس بزرگوں کے حالات ہیں:

ذکر حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی، ذکر حضرت ابوبکر شبلی، ذکر حضرت خواجہ حسین بن منصور حلاج، ذکر حضرت خواجہ فارس بن عیسیٰ بغدادی، ذکر حضرت خواجہ ابو العباس بن عطار، ذکر حضرت خواجہ ابو محمد حریری، ذکر حضرت خواجہ ابوبکر بن طاہر الابہری، ذکر حضرت خواجہ ابوبکر کتانی، ذکر حضرت خواجہ عبد اللہ بن منازل، ذکر حضرت خواجہ ابو علی رودباری،

طبقۂ یازدہم (گیارہواں طبقہ) (ص ۹۳۴ سے ص ۹۹۰ تک) مجملی از احوال خواجہ ابو محمد چشتی و ذکر خواجہ ابو یعقوب نہر جوری وغیرہ، اس میں گیارہ بزرگوں کے حالات ہیں،

ذکر حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو یعقوب النہر جوریؒ، ذکر حضرت خواجہ عبداللہ بن مرتعشؒ، ذکر حضرت خواجہ عبداللہ عفیفؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو نظیر حماد قطعؒ، ذکر حضرت خواجہ عبداللہ رودعدیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو عثمان مغربیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو القاسم رازیؒ ذکر حضرت شیخ ابو العباس سیاریؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو القاسم حکیم سمرقندیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو القاسم نصر آبادیؒ،

طبقۂ دوازدہم (بارھواں طبقہ) مجملی از احوال خوارزم و محمد چشتیؒ و ذکر خواجہ ابو العباس نہاوندیؒ وغیرہ (صفحہ ۹۹ سے صفحہ ۱۲۱ تک) اس طبقہ میں ۹ بزرگوں اور خوارزم کا حال ہے،

ذکر حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ مع احوال اول فتح ہند و لشکر سلطان محمود غزنوی، ذکر خواجہ ابو نصر سراجؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو الفضل بن حسینؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو القاسم بشر یاسینؒ، ذکر حضرت شیخ لقمان سرخسیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو علی دقاقؒ، ذکر خواجہ ابو علی سیاہؒ، ذکر حضرت شیخ عبد الرحمن سلمیؒ، ذکر حضرت سلطان الشہداء امیر مسعودؒ۔

طبقۂ سیزدہم (تیرھواں طبقہ) (صفحہ ۱۲۲ سے صفحہ ۲۲۳ تک) مجملی از احوال خواجہ ناصر الدین یوسف چشتیؒ و ذکر خواجہ ابو العباس قصابؒ وغیرہ، کل گیارہ ۱۱ بزرگوں کے حالات ہیں:

ذکر حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ مع ابتدائی حالات سلجوقیان، ذکر حضرت شیخ ابو العباس قصابؒ، ذکر حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ، ذکر حضرت خواجہ عبداللہ دستانیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو القاسم گرگانیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو العباس اشغانیؒ، ذکر حضرت شیخ ابو الفضل محمد الدین حسینؒ، ذکر حضرت شیخ علی بن عثمان بن علیؒ، ذکر حضرت خواجہ احمد برادر حضرت خواجہ اسمٰعیل چشتیؒ، ذکر حضرت خواجہ اسمٰعیل عبداللہ بن منصور محمد انصاریؒ، ذکر حضرت شیخ احمد ناجی الحاجی زندہ فیلؒ،

طبقۂ چہاردہم (چودھواں طبقہ) (صفحہ ۲۲۴ سے صفحہ ۳۸۴ تک) مجملی از احوال خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ و ذکر حضرت خواجہ احمد بن مودود چشتیؒ وغیرہ، اس طبقہ میں ۹ بزرگوں کے حالات ہیں،

ذکر حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ، ذکر حضرت خواجہ احمد بن مودود بن یوسف چشتیؒ، ذکر حضرت ابو طاہر کردؒ، ذکر حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ، ذکر حضرت شیخ ابو بکر بن عبداللہ الطوسی النساجؒ، ذکر حضرت امام محمد بن محمد غزالیؒ،

ذکر حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ، ذکر حضرت خواجہ ابو نصر جعفر بن ابی اسحٰق الہرویؒ، ذکر حضرت سلطان مجد الدینؒ،

طبقۂ پانزدہم (پندرھواں) دربیان مجملے از احوال خواجہ شریف زندنیؒ، و ذکر خواجہ یوسف ہمدانیؒ وغیرہ اس میں بارہ ۱۲ بزرگوں کا حال ہے، (صفحہ ۳۸۵ سے صفحہ ۳۸۵ تک)

(۱) ذکر حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ (۲) ذکر حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ (۳) ذکر حضرت خواجہ احمد یسویؒ (۴) ذکر حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ (۵) ذکر حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب ابو القاسم عبداللہ سہروردیؒ (۶) ذکر حضرت شیخ ابو محمد بن عبداللہ البصریؒ (۷) ذکر حضرت سیدی احمد بن ابو الحسن الرفاعیؒ (۸) ذکر حضرت شیخ ابو عبداللہ صومعیؒ (۹) ذکر حضرت شیخ محمد حماد دباسؒ (۱۰) ذکر حضرت شیخ ابو عبداللہ قصب البیان اربلیؒ (۱۱) ذکر حضرت شیخ ابو العباس بن عریف الاندلسیؒ (۱۲) ذکر حضرت خواجہ حکیم سنائی الغزنویؒ،

طبقۂ شانزدہم (سولھواں) دربیان مجملے از احوال خواجہ عثمان ہارونیؒ و ذکر حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ وغیرہ، اس میں چودہ ۱۴ بزرگوں کا حال ہے (صفحہ ۳۸۶ سے صفحہ ۵۱۲ تک)

(۱) ذکر حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ (۲) ذکر حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ (۳) ذکر حضرت شیخ ابو مدین مغربیؒ (۴) ذکر حضرت شیخ صدقہ بغدادیؒ (۵) ذکر حضرت شیخ ابو محمد عبد الرحمن طفسونجیؒ (۶) ذکر حضرت شیخ محمد الدوانیؒ (۷) ذکر حضرت شیخ ابو مسعود بن شبلیؒ (۸) ذکر حضرت شیخ عدی بن مسافر الشامیؒ (۹) ذکر حضرت شیخ صوۃ بن نقیس عراقیؒ (۱۰) ذکر حضرت شیخ ابو اسحٰق بن الظریفؒ (۱۱) ذکر حضرت شیخ جاگیرؒ (۱۲) ذکر حضرت شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم آتیؒ (۱۳) ذکر حضرت شیخ عمر فارض الجمدیؒ (۱۴) ذکر حضرت شیخ موسیٰ سدرانیؒ،

طبقۂ ہفدہم (سترھواں) (صفحہ ۵۱۳) دربیان مجملی از احوال خواجہ معین الدین چشتیؒ و ذکر شیخ نجم الدین کبریٰؒ وغیرہ،

(۱) ذکر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (۲) ذکر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ (۳) ذکر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۴) ذکر حضرت شیخ محی الدین محمد بن العربیؒ (۵) ذکر حضرت شیخ روزبہان بقلی شیرازیؒ (۶) ذکر حضرت شیخ بہاء الدین ولدؒ (۷) ذکر حضرت سید برہان الدین محققؒ (۸) ذکر حضرت شیخ مجد الدین شیرازی بغدادیؒ (۹) ذکر حضرت

شیخ سعد الدین حمویہؒ (۱۰)، ذکر حضرت شیخ سیف الدین باخرزیؒ (۱۱) ذکر حضرت شیخ رضی الدین علی لالہ غزنویؒ (۱۲)، ذکر حضرت بابا کمال جندیؒ (۱۳) ذکر حضرت خواجہ شمس الدین بن محمد بن علیؒ (۱۴)، ذکر حضرت شیخ شہاب الدین مقتولؒ (۱۵)، ذکر حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ، ذکر شیخ محمد ترک نارنولی ص ۱۷۶، ذکر میر سید حسین مشہدی معروف بہ جنگ سوارہ ص ۱۷۷، اس جگہ اپنے تاثرات اس طرح لکھتے ہیں کہ "یہ کاتب حروف ۴ رمضان ۱۰۵۳ھ میں زیارت کے لیے حاضر ہوا تھا، یہاں مجھ کو رقت بہت ہوئی اور آنحضرت صلعم کی روح سے حضوری حاصل ہوئی، حجاب عنصری درمیان سے ہٹ گیا، اور روحانیت سید سالار مسعود غازیؒ بھی آموجود ہوئی جس سے عجیب حال اور اسرار محسوس ہوئے جن کو میں لکھ نہیں سکتا، میرے دل بے آرام کو تسکین حاصل ہوئی"، ذکر شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ (ص ۱۷۷) ذکر سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی السوالی (ص ۱۷۸) مع تذکرے احوال سلطان غیاث الدین بلبن (ص ۱۷۹)

طبقۂ سیزدہم (تیرھواں) دربیان مجملی از احوال خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ و شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ وغیرہ (ص ۱۷۹)

ذکر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ معہ احوال شمس الدین و فرزندان او (ص ۱۷۹) ذکر حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (ص ۱۸۳) ذکر مولانا جلال الدین محمد بلخی بن مولانا بہاء الدین ولد (ص ۱۸۶) ذکر حضرت شیخ صدر الدین محمد بن اسحٰق قونویؒ (ص ۱۸۸) ذکر حضرت اوحد الدین حامد الکرمانیؒ (ص ۱۸۹) معہ حاشیہ چہارم در تصرفات اولیاء اللہ (ص ۱۸۹) ذکر شیخ نجیب الدین علی بن بزغش شیرازیؒ (ص ۱۹۰) ذکر شیخ ابو القاسم جلال الدین تبریزیؒ (ص ۱۹۱) ذکر قاضی حمید الدین ناگوری (محمد بن عطاء اللہ محمود البخاری) (ص ۱۹۳) ذکر حضرت شیخ شرف الدین بن مصلح الدین سعدی شیرازیؒ (ص ۱۹۴) ذکر حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ (ص ۱۹۵) ذکر حضرت شیخ صلاح الدین فریدون القونوی المعروف بزرکوب (ص ۱۹۶)، ذکر سلطان ولدین مولانا روم (ص ۱۹۷) ذکر حضرت شیخ نظام الدین ابو المویدؒ (ص ۱۹۸) ذکر حضرت شاہ خضر رومیؒ (ص ۱۹۹) ذکر حضرت شیخ بدر الدین غزنوی (ص ۱۹۹)

ذکر حضرت خواجہ کردیز ملتانی ص ۲۰۰۲، ذکر حضرت شیخ عبد اللہ بلیانی ملقب بہ اوحد الدین از فرزندان حضرت ابو علی ابو دقاق ص ۲۰۰۶۔

طبقۂ نوزدہم (انیسواں) (ص ۲۰۱۹) دربیان مجملی از احوال حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج مسعود اجودھنی معہ احوال فرزندان وے و ذکر حضرت سلطان المشائخؒ وغیرہ۔

ذکر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رح، ذکر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ مع احوال ہفت سلاطین، جو آپ کے معاصر تھے، ص ۲۰۹۳، ذکر حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ ص ۲۱۴۷، ذکر حضرت شیخ بدر الدین اسحٰق رح معہ فرزندان ص ۲۱۸۰، ذکر حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی رح ص ۲۱۹۰، ذکر حضرت شیخ عارف سیستانی رح ص ۲۲۰۲، ذکر حضرت شیخ داؤد بن محمودؒ ص ۲۲۰۶ ذکر حضرت سید محمد بن محمود کرمانی رح ص ۲۲۱۵، ذکر حضرت شیخ صدر الدین بن بہاء الدین زکریاؒ ص ۲۲۳۱ مولانا حسام الدین ملتانی ص ۲۲۳۸، ذکر حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین رح ص ۲۲۴۶، ذکر حضرت میر سید صدر الدین المعروف بسید حسینی رح ص ۲۲۶۵، ذکر حضرت شیخ صلاح سہروردیؒ ص ۲۲۷۷، ذکر حضرت شیخ احمد نہر والیؒ ص ۲۲۸۹، حضرت علین الدین قصابؒ ص ۲۲۹۲، شیخ محمود توبیہ دوز ص ۲۲۹۳، شیخ حسن رسن تابؒ، شیخ بدر الدین موئے تاب، ذکر حضرت شیخ بدر الدین سمرقندیؒ ص ۲۳۱۴، ذکر حضرت شیخ صوفی بدھنی رح ص ۲۳۲۱، سیدی مولہؒ و قاضی منہاج جرجانی ص ۲۳۲۷، ذکر حضرت شیخ جمال الدین جوزقانی رح ص ۲۳۳۶، شیخ نور الدین عبد الرحمٰن اعرابی ص ۲۳۴۰، ذکر حضرت شیخ سعید الدین فرقانی رح ص ۲۳۴۵، ذکر حضرت شیخ عزیز بن محمد نسفی رح ص ۲۳۵۳۔

طبقۂ بستم (بیسواں) مجملی از احوال شیخ علی صابرؒ و ذکر شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ وغیرہ (ص ۲۳۶۴)

ذکر حضرت شیخ علاء الدین علی احمد صابرؒ ص ۲۳۶۴، ذکر حضرت خواجہ نصیر الدین محمود رح

(ص ۲۴۰۷) ذکرحضرت شیخ شمس الدین بن یحییٰؒ (ص ۲۴۱۶) ذکرحضرت شیخ قطب الدین منورؒ (ص ۲۴۲۵) ذکرحضرت شیخ حسام الدین ملتانیؒ (ص ۲۴۳۴) ذکرحضرت شیخ فخر الدین زرادیؒ (ص ۲۴۴۷) ذکرحضرت شیخ علاء الدین نیلیؒ (ص ۲۴۶۰) ذکرحضرت شیخ برہان الدین غریبؒ (ص ۲۴۶۶) ذکرحضرت شیخ وجیہ الدین یوسف نائیؒ (ص ۲۴۷۶) ذکرحضرت شیخ شہاب الدین امامؒ (ص ۲۴۸۵) ذکرحضرت شیخ سراج الدین عثمانؒ (ص ۲۴۹۰) ذکر یاران حضرت سلطان المشائخ (ص ۲۵۰۲)

یاران اعلیٰ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاؒ کا تذکرہ "سیر الاولیاءؒ" کے حوالے سے حسب ذیل وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

بعضے یاران اعلیٰ جو شرف ارادت سے مشرف تھے، لیکن ان کو خلافت نہیں عطا ہوئی، پھر بھی حضرت سلطان المشائخ کی عزت اور شفقت سے ان کی خدمت میں خصوصیت حاصل تھی

(۱) خواجہ ابوبکر مندویؒ ص ۲۵۰۴ (۲) قاضی محی الدین کاشانیؒ ص ۲۵۰۶ (۳) مولانا وجیہ الدین پائلیؒ ص ۲۵۰۹ (۴) مولانا فخر الدین مروزیؒ ص ۲۵۱۲ (۵) مولانا فصیح الملت والدین ص ۲۵۱۵ (۶) مولانا جمال الدینؒ ص ۲۵۱۹ (۷) مولانا جلال الدین اودھیؒ ص ۲۵۲۰ (۸) خواجہ کریم الدین سمرقندیؒ ص ۲۵۲۲ (۹) قاضی شرف الدینؒ ص ۲۵۲۵ (۱۰) مولانا بہاء الدین ادھمیؒ ص ۲۵۲۷ (۱۱) مولانا شیخ مبارک گوپامئویؒ ص ۲۵۲۷ (۱۲) خواجہ مؤید الدین ساکن کڑہ ص ۲۵۳۰ (۱۳) خواجہ تاج الدینؒ ص ۲۵۳۲ (۱۴) خواجہ ضیاء الملت والدین برنیؒ (ص ۲۵۳۴) (۱۵) خواجہ مؤید الدین انصاریؒ ص ۲۵۳۷ (۱۶) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ امیر خسروؒ ص ۲۵۳۸ (۱۷) مولانا نظام الدین شیرازیؒ ص ۲۵۳۹ (۱۸) خواجہ سالارؒ ص ۲۵۴۰ (۱۹) مولانا فخر الدین میرٹھیؒ (۲۰) مولانا نوحؒ ص ۲۵۴۱ (۲۱) مولانا علاء الدینؒ ص ۲۵۴۲ (۲۲) مولانا شہاب الدین کنتوریؒ ص ۲۵۴۲ (۲۳) مولانا حجۃ الملتانیؒ ص ۲۵۴۳ (۲۴) مولانا بدر الدین تولہؒ ص ۲۵۴۳

(۲۵) مولانا رکن الدین جعفریؒ (۲۶) خواجہ عبدالرحمٰن سارنگ پوریؒ (ص ۲۵۴۴) (۲۷) خواجہ احمد بدایونیؒ (ص ۲۵۴۴) (۲۸) مولانا لطیف الدین کمند سالیؒ (ص ۲۵۴۵) (۲۹) مولانا نجم الدین محبوبؒ (ص ۲۵۴۵) (۳۰) خواجہ شمس الدین دھاریؒ (ص ۲۵۴۶) (۳۱) مولانا یوسف بداؤنیؒ (ص ۲۵۴۶) (۳۲) مولانا سراج الدین بداؤنیؒ (ص ۲۵۴۷) (۳۳) مولانا قاضی شہ پائلیؒ (ص ۲۵۴۶) (۳۴) مولانا قوام الدین یکرانہؒ (ص ۲۵۴۷) (۳۵) مولانا برہان الدین اودھیؒ (ص ۲۵۴۸) (۳۶) مولانا جلال الدین اودھیؒ (ص ۲۵۴۸) (۳۷) شیخ نظام الدین مولیؒ (ص ۲۵۵۰) (۳۸) قاضی عبدالکریم قدوائیؒ (ص ۲۵۵۱) (۳۹) قاضی قوام الدین قدوائیؒ (ص ۲۵۵۵) ذکر سلطان الشعراء امیر خسروؒ (ص ۲۵۵۶) ذکر امیر حسن اعلیٰ سنجری شاعرؒ (ص ۲۵۶۶) ذکر مخدوم فخر الدین بن رکن الدینؒ (ص ۲۵۸۰) مع ذکر پسران او، ذکر خواجہ کرکؒ مجذوب (ص ۲۵۹۰) ذکر میر سید علاء الدین کنتوریؒ (ص ۲۵۹۵)

ذکر میر سید امیر ماہ بن سید نظام الدین (ص ۲۶۰۵) ذکر شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہاریؒ (ص ۲۶۱۷)

طبقۂ بست ویکم (اکیسواں) (ص ۲۶۳۹ سے ص ۲۹۴۴ تک) اس میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ و ذکر شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ وغیرہ پچیس بزرگوں اور سلاطین وغیرہ کا حال ہے۔

ذکر حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ (ص ۲۶۳۹)، ذکر حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ (ص ۲۶۵۲) ذکر شیخ صفی الدین ابوالفتح اسحٰقؒ (ص ۲۶۸۱) مع ضمیمہ حالات شاہان طہماسپ، ذکر خواجہ محمد بابا سماسیؒ (ص ۲۷۰۲) ذکر خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ (ص ۲۷۱۵) ذکر امام ابوعبداللہ عفیف یافعیؒ (ص ۲۷۳۶) ذکر مخدوم جہانیاں سید جلال حسین بخاریؒ (ص ۲۷۴۲) ذکر میر سید گیسو درازؒ (ص ۲۷۶۰) ذکر میر سید محمد بن جعفر مع فرزندان المکیؒ (ص ۲۷۸۹) ذکر مولانا خواجگیؒ (ص ۲۸۰۱) مولانا احمد تھانیسری خلیفۂ او (ص ۲۸۲۵) ذکر شیخ صدر الدین حکیمؒ (ص ۲۸۳۰) ذکر قاضی عبدالمقتدر بن قاضی رکن الدین (ص ۲۸۳۷) ذکر شیخ محمد متوکل کنتوریؒ (ص ۲۸۴۴) مع حال مخدوم شیخ سعد اللہ کیسہ دارؒ (ص ۲۸۵۴) و شیخ

عین الدین قتالؒ، ذکر شیخ دانیال عرف مولانا عود (صفحہ ۲۸۶) یہ بزرگ مصنف کے جد اعلیٰ ہیں، اسلیے مصنف نے اپنے خاندان کا پورا شجرہ اور حالات تفصیل سے قلمبند کیے ہیں، جنکا تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے، ذکر شیخ علاء الحق والدین بنگالیؒ (صفحہ ۲۸۸) مع حالات سلاطین بنگالہ، ذکر خواجہ مسعود بک (صفحہ ۲۹۰) ذکر سید تاج الدین سبزواری (صفحہ ۲۹۱)، ذکر شیخ مظفر بن شمس الدین بلخیؒ (صفحہ ۲۹۱۳)، ذکر میر سید علی بن شہاب الدین ہمدانیؒ (صفحہ ۲۹۲) مع مفصل حالات وتاریخ بادشاہان کشمیر،

طبقۂ بست ودوم (بائیسواں) دربیان مجملی از احوال شیخ جلال الحق والدین پانی پتیؒ وذکر میر سید اشرف جہانگیر سمنانی (صفحہ ۱۹۴۴ سے صفحہ تک) معہ احوال امیر تیمورؒ صاحبقران، اس طبقہ میں..... بزرگوں کا حال اور ایک حاشیہ حالات بادشاہ شاہجہاں ہے،

ذکر حضرت شیخ جلال الحق والدین قدس سرہٗ (صفحہ ۲۹۴) ذکر میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ (صفحہ ۲۹۶ الف)، حاشیہ پنجم در حالات بادشاہ شاہجہاں (صفحہ ۳۰۰) میں لکھتے ہیں کہ:

چونکہ یہ کتاب مرآۃ الاسرار شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں لکھنا شروع ہوئی، اور اسی کی حیات میں ختم ہوئی، اس لیے اس کی ولادت سے لیکر زمانۂ وفات تک کے حالات اس حاشیہ میں جمع کردیئے ہیں، اور سند کے لیے لکھتے ہیں کہ

"از کتب تواریخ وقت وہم از مردان معتبر بہ تحقیق پیوست"

اس کے بعد اسی زمرہ میں شاہان شرقی جونپور کا تذکرہ مجمل طور پر کر دیا ہے،

ذکر خواجہ علاء الدین عطارؒ (صفحہ ۳۰۴) ذکر خواجہ حسن عطار بن علاء الدین عطار، ذکر خواجہ یوسف عطار بن حسن عطارؒ، ذکر خواجہ محمد پارساؒ (صفحہ ۳۰۵) ذکر خواجہ ابونصر پارسا بن خواجہ محمد پارساؒ، ذکر خواجہ یعقوب چرخیؒ (صفحہ ۳۰۶) ذکر خواجہ نظام الدین خاموشؒ (صفحہ ۳۰۷) ذکر مولانا سعد الدین کاشغریؒ (صفحہ ۳۰۷) ذکر شیخ زین الدین ابوبکر الخوافیؒ (صفحہ ۳۰۷) ذکر مولانا زین الدین ابوبکرؒ (صفحہ ۳۰۸)

ذکر شیخ سراج الدین عالمؒ (صفحہ ۳۰۰) ذکر شیخ احمد درویشؒ، ذکر امیر قوام الدین سجانیؒ، ذکر میر سید قاسم انوارؒ (صفحہ ۳۰۸) ذکر شیخ کمال خجندیؒ (صفحہ ۳۰۹) ذکر مولانا محمد مغربیؒ (صفحہ ۳۰۹) ذکر میر سید نعمت اللہ ولی معہ فرزندان (صفحہ ۳۰۹۵) ذکر شیخ راجو قتالؒ معہ احوال خضر خاں وغیرہ سلاطین دہلی (صفحہ ۳۱۰) ذکر شیخ سراج الدین سوختہؒ (صفحہ ۳۱۱۳) ذکر مخدوم شیخ اخی راجگیریؒ (صفحہ ۳۱۱) ذکر میر سید نظام الدین بن صفدر جہاںؒ ذکر مخدوم شیخ قوام الدین لکھنوی (صفحہ ۳۱۳۹) ذکر مخدوم شیخ سارنگؒ (صفحہ ۳۱۴) ذکر مخدوم شیخ مینا (صفحہ ۳۱۵) مخدوم شیخ سعد خیر آبادیؒ ومیر سید خورد نمید پوری، ذکر شیخ اختیار الدین ایرجی (صفحہ ۳۱۵) ذکر شیخ بدھ ایرجیؒ (صفحہ ۳۱۵۵) ذکر میر سید ید اللہؒ (صفحہ ۳۱۵) ذکر شیخ پیارہؒ (صفحہ ۳۱۶) ذکر شیخ علاء الدین گوالیریؒ، ذکر شیخ ابوالفتح قریشی، ذکر شیخ فتح اللہ اودھی (صفحہ ۳۱۶) ذکر شیخ قاسم اودھی (صفحہ ۳۱۶۵) ذکر شیخ عیسیٰ تاج جونپوریؒ (صفحہ ۳۱۶) ذکر شیخ ابوالفتح جونپوریؒ، ذکر شیخ فخر الدین بکلوری وشیخ عبد السلام پران (صفحہ ۳۱۷۵) ذکر میر سید علاء الدین اودھی وشیخ محمد آکتش دریابادی، ذکر مخدوم شیخ حسام الدین فتح پوریؒ، ذکر بابا اسحٰق مغربی (صفحہ ۳۱۹) ذکر شیخ احمد کھتو گجراتی (صفحہ ۳۲۰۳)

طبقۂ بست وسیوم (تیئسواں) دربیان مجملی از احوال مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولی معہ فرزندان او، ذکر شیخ نور قطب عالم بنگالی وغیرہ (صفحہ ۳۲۲ سے صفحہ ۳۴۸ تک)، اس میں انیس ۱۹ بزرگوں کا حال ہے،

ذکر مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ مع فرزندان (صفحہ ۳۲۲) ذکر شیخ نور الحق بن شیخ علاء الحق بنگالی (صفحہ ۳۲۸) وشیخ رفعۃ الدین بن شیخ نور الحقؒ، ذکر شیخ نور الحق وشیخ سجانی حاجیؒ، ذکر سید عبدالرزاق معہ فرزندان، وبعضے خلفائے میر سید اشرف جہانگیرؒ، ذکر شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ ابن محمد اسمٰعیل حنفی معہ خلفائے شیخ محمد تاجؒ (صفحہ ۳۳۸) ذکر میر سید برہان الدین گجراتی (صفحہ ۳۳۵) ذکر میر سید شاہ عالمؒ مع احوال سلاطین گجرات (صفحہ ۳۳۵) ذکر مخدوم شیخ سراجؒ، ذکر حضرت داؤد

ملک بن محمودؒ ص ۳۳۸۴، ذکر مخدوم شیخ کبیرؒ ص ۳۳۹۰، ذکر حضرت شاہ جلال گجراتیؒ ص ۳۳۹۶،
ذکر شاہ میاں جیو قطب ولایتؒ ص ۳۳۹۸ مع احوال سلاطین مالوہ، ذکر شیخ عبداللہ شطارؒ
وجمیع خلفائے او ص ۳۴۱۲، ذکر شیخ شاہ داؤد مست وخلیفۂ او شیخ شاہ نورؒ ص ۳۴۲۴، ذکر مخدوم
شیخ جمال اولیا او دھیؒ ص ۳۴۲۸، ذکر شیخ حسین مغربی بلخی بہاریؒ ص ۳۴۳۴، ذکر میر سید علیم الدین
ملائیں ص ۳۴۳۵، ذکر حضرت مخدوم شیخ حسام الدین مانکپوریؒ ص ۳۴۷۵، شیخ معروف جونپوری و
بندگی شیخ نظام الدین امیٹھی ص ۳۴۷۸،

راجی سید حامد شہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ

"۱۰۵۲ھ میں جب بزرگان دہلی کی زیارت کے لئے گیا تو حضرت نظام الدین اولیاؒ
کے دربار سے حکم ہوا کہ پہلے شیخ حسام الدین مانکپوری کی زیارت کرنا اس کے بعد گھر جانا
چنانچہ واپسی میں میں نے ایسا ہی کیا، اس مرتبہ حاضری میں عجیب ذوق وحالات کا اندازہ
ہوا. بڑی نعمتیں اس خاکسار کو عطا ہوئیں۔"

اتنا لکھنے کے بعد یکایک آمدم برسر مطلب لکھ کر لکھتے ہیں کہ میں نے کتاب کے شروع میں لکھا ہے
کہ اس کتاب کے ۲۹ طبقے میں نے قائم کئے ہیں، جب میں تیئیسویں طبقہ میں احوال مرشدی معنوی حضرت
مخدوم شیخ احمد عبدالحقؒ کے خاتمہ پر پہونچا تو ہمت نے جواب دے دیا "دست یاری نمی داد" مجبوراً
خواجہ عمر حسام قدس سرہٗ کی ذیل کی رباعی پڑھ کر خاموش ہوگیا۔

ایں ہستی تو ہستیِ ہستی دگر است	ایں مستی تو مستیِ مستی دگر است
رو بگریبانِ تفکر درکش	ایں دست تو آستیں دست دگر است

لیکن کئی سال تک متفکر، حیران ومنتظر امر باطن رہا۔ بارہ سال کے بعد اتفاق حسنہ سنہ ۱۰۶۵ھ
یکہزار شصت وپنج ہجری میں زیارت حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت سے مشرف

ہوا، عرض کیا کہ حضور کے حکم باطن سے اس کتاب کو شروع کیا تھا، اب اس بے بسی اور قبض کی حالت
کے متعلق کچھ ارشاد ہو، آپ نے ازراہ مہربانی وشفقت باطنی حکم فرمایا کہ یہ کتاب حضرت احمد عبدالحقؒ
کے طبقہ تک کافی ہے، اس طبقہ کو شیخ حسام الدین مانکپوری کے حالات پر ختم کر دو. اس کے بعد فرمایا کہ
تجھے چار صاحبانِ ولایت اور صاحبانِ تصرف کے درمیان پہونچا دیا، یہ چاروں بزرگ اپنے مزار میں
بیٹھے زندوں کی طرح ہمیشہ تیرے مددگار ومعاون ہوں گے.

پورب میں سید اشرف جہانگیرؒ (کچھوچھہ شریف) پچھم میں شیخ بدیع الدین ملقب بہ شاہ مدارؒ
(مکن پور) شمال میں سید سالار مسعود غازیؒ (بہرائچ) جنوب میں شیخ حسام الدین مانکپوریؒ اور پانچویں
شیخ احمد عبدالحقؒ ہیں جنھوں نے مجھ کو اپنی فرزندی میں لیا ہے.

ان عنایات بے بہا پر شکر بجالایا ؎

آفتاب اندر بدخشاں لعل سازد سنگ را	جز بخاموشی چہ گوید لعلِ شکر آفتاب

اس لئے میں نے یہ کتاب سنہ ۱۰۶۵ھ (یکہزار شصت وپنج) میں اجمیر شریف سے گھر پہونچ کر ۲۷
شوال کو ختم کی.

مخدوم حسام الدین مانکپوری کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "یہ فقیر کاتب حروف عبدالرحمن چشتی
بارہا مخدوم حسام الدین شیخ حامد راجی سے مشرف ہوا اور سعادت وذوق سے مالامال ہوا. سنہ ۱۰۵۲ھ
میں جب بزرگان دہلی کی زیارت کے لئے گیا، حضرت نظام الدین اولیاؒ کے دربار سے حکم (در معاملہ ہوا)
کہ پہلے شیخ نظام الدینؒ کی زیارت کرنا تب گھر جانا. اس لئے خاکسار حسب الحکم واپسی میں ان دونوں بزرگوں
کے فیض سے مشرف ہوا، اس مرتبہ حاضری میں عجیب ذوق اور حالات کا اندازہ ہوا، بڑی نعمتیں
اس خاکسار کو عطا ہوئیں جو تحریر میں نہیں لائی جاسکتیں۔"

کتاب کے آخر میں یہ تین قطعاتِ تاریخ کسی نے لکھے ہیں.

شیخ عبدالرحمن جو اس کتاب کے مصنف نے ۷ر شعبان سنہ ۱۰۵۴ھ روز یکشنبہ کو وفات پائی

آیت رحمٰن حقیقی کاشف اسرار حال | عارف اللہ بود او اے پسر بے قیل وقال

آنکہ تاریخ وفاتش خواستم از عقل گفت | ہفتم از شعبان سفر شد شیخ کامل باکمال

شیخ رحمٰن چوں ازیں دار فنا | بر فراز عرشِ رحمٰن کرد جا

از پے تاریخ آں غوثِ زماں | جستجو کردم ز دل لاریب ما

گفت الرحمن علی العرش الذی

جملہ اعداد الرحمہ علی العرش استویٰ

تاریخ تولد آنحضرت | دخلہ فی عالم الدنیا وھو حبیبؒ

تاریخ وصال | خرج عن الدنیا وھو محبوبؒ

اس طرح ۴۸۸ صفحات پر یہ کتاب ختم ہوگئی۔

صوفی امیر خسرو

اس میں ہندوستان کے شہرۂ آفاق محب وطن شاعر نہ سپہر، شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں اور وسط الحیوۃ جیسی شاہکار مثنویوں کے بلند پایہ مصنف اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے جاں نثار مرید حضرت امیر خسرو کو معاصر تذکرہ و تاریخ کی کتابوں کے حوالہ سے اور خود ان کے کلام کے مجموعوں اور مثنویوں کی روشنی میں ایک صاحب دل صوفی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، بزم صوفیہ کے بعد سلوک و عرفان کے مباحث پر دوسری اہم کتاب،

مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمن

قیمت ۹ روپیے، "مینیجر"

صغانی کی عربی شاعری

از

ڈاکٹر حامد علی خاں ریڈر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور عربی علوم وفنون کی اشاعت لازم وملزوم ہے، مگر تاریخ نگاری کی طرف زیادہ توجہ نہ کئے جانے کی وجہ سے گذشتہ تیرہ صدیوں کے ہندوستانی علما اور عربی زبان وادب کے فضلار کی بڑی تعداد کے ناموں سے بھی ہم واقف نہیں ہیں، البتہ قدیم بیرونی اور متاخرین مقامی تذکرہ نویسوں نے جن ہزاروں ہندوستانی علما، و فضلا کا ذکر کیا ہے، ان کے علمی و روحانی کمالات سے ہندوستان کے علاوہ مسلم ممالک کے باشندوں اور عربوں نے بھی خوب فیض اٹھایا، علم کے شیدائیوں اور قدیم وبرگزیدہ علما کے عقیدتمندوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے مفصل حالات کی جستجو کریں، ان کے کارناموں پر سیر حاصل بحث کریں، اور ان پر مستقل تصانیف لکھ کر ایک طرف اسلاف شناسی کا ثبوت دیں، اور دوسری طرف اپنے ملک کا نام سر بلند کریں، ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں خصوصیت کے ساتھ عربی، اسلامی اسٹڈیز اور تاریخ وغیرہ کے شعبوں کو بھی اس کی جانب اعتنا کرنا چاہئے، اگر اس طرح کی ممتاز ہستیوں پر یونیورسٹیوں کے اساتذہ طلبہ سے علمی و تحقیقی کام کرائیں، تو ہندوستانی علما کے کارناموں کی اہمیت اور ان کی واقعی حیثیت دنیا کے سامنے واضح ہو سکیگی، ہندوستان کے باعث صد افتخار، جامع کمالات اور ممتاز ترین علما میں حسن صغانی[1]

---

[1] قصبہ "صغانیاں" ترمذ کے قریب واقع تھا، یہاں ایک قلعہ بھی تھا، اس قصبہ کے اندر (باقی اگلے صفحہ پر)

لاہوری کا نام نامی بھی ہے، مولانا عبدالحلیم چشتی فاضل دیوبند نے "ان کے علمی کمالات، عادات واخلاق، تصنیفات، فضل وکمال اور تلامذہ" کے مستقل عنوانات کے علاوہ ولادت سے وفات تک کے مفصل سوانح حیات عمیق مطالعہ کے بعد حوالۂ قلم کئے ہیں، انھوں نے امکان بھر محنت وکاوش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے، بلکہ صغانی کے بارے میں مضمون نگاروں کے بعض بیانات کے تضاد کو مکمل بحث تحقیق کے بعد رفع بھی کیا ہے، اور حواشی میں بعض ضروری معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے، چشتی صاحب کا طویل مقالہ موقر ماہنامہ "معارف" جلد ۸۳ و ۸۴ (بابت ۱۹۵۵ء) کی نو اقساط میں شائع ہو چکا ہے[1]، جو ماہنامہ مذکور کے ایک سو ترپن (۱۵۳) صفحات پر حاوی ہے، تفصیل کے طالبین کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقالۂ بالا کی علاوہ دوسرے تحریر شدہ مآخذ کی طرف بھی رجوع کریں، ذیل میں صرف "علامہ صغانی کی عربی شاعری" کے متعلق بحث وگفتگو کرنا مقصود ہے، شروع میں تمہید کے طور پر اختصار کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۰) عمدہ قسم کے بازار تھے، یہاں روٹی بہت ارزاں تھی، اور گوشت بہت زیادہ مقدار میں فروخت ہوتا تھا، بازاروں کے وسط میں ایک مسجد تھی جس کے چاروں طرف پکی اینٹ کا پشتہ تھا، اور محرابیں نہ تھیں، صغانیان کی یہ مسجد بارہویں صدی تک بہت مشہور تھی، ہر گھر میں پانی کی پہنچانیکا انتظام تھا، اور قصبہ کے گرد ونواح میں آبپاشی کے لئے پانی کی بہتات کی وجہ سے ترکاریاں اگائی جاتی تھیں، موسم سرما میں یہاں گھاس اتنی اونچی ہو جاتی تھی کہ گھوڑا اس کے اندر چھپ جاتا تھا، اسی لئے اس موسم میں پرندے وغیرہ پکڑے جاتے تھے، یہاں کے باشندے راسخ الاعتقادی اور مہمان نوازی میں ممتاز تھے، اس آبادی میں متعدد علماء بھی ہوئے، مگر انہیں کوئی فقیہ نہیں تھا

Turkistan down to the Mongol Invasions by Barthold (London. 1928) 2nd edition. page 73

[1] معارف: صغانی کے حالات اور ان کی تصانیف پر معارف میں چند اور مضامین بھی شائع ہوئے ہیں

ساتھ صغانی کے حالات زندگی بھی قدیم وجدید مراجع کی مدد سے سپرد قلم کیے جاتے ہیں،

حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن اسماعیل قریشی عَدَوی عمری حنفی صغانی کی ولادت پنجشنبہ ۱۰ صفر ۵۷۷ھ کو لاہور میں ہوئی، ان کی کنیت "ابو الفضائل" اور لقب "رضی الدین" تھا، انھوں نے خود اپنے کو "الملتجی الی حرم اللہ" (یعنی اللہ کے حرم سے پناہ پکڑنے والا) کے نام سے موسوم کیا ہے، صغانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، اور حضرت عمرؓ اور ان کے دادا عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے عدوی و عمری کہلاتے تھے، ان کے اسلاف میں سے کوئی صغان سے ہجرت کرکے ہندوستان آیا، اور لاہور میں متوطن ہوا، ان کے والد اپنے عہد کے علامۂ اجل، ادب ولغت کے ماہر، بلند پایہ محقق اور علوم ظاہری وباطنی میں کامل تھے، اس لیے صغانی نے ان سے تعلیم پاکر جملہ علوم وفنون میں مہارت پیدا کی، گو انھوں نے مشہور اور فاضل محدثین کی بڑی تعداد سے استفادہ کیا ہے، مگر صراحت وتحقیق کے ساتھ صرف حسب ذیل اساتذہ کا نام معلوم ہوسکا ہے،

ہندوستان میں قاضی سعد الدین[1] بن محمد الحسناباذی اور النظام محمد بن الحسن المرغینانی کے علاوہ ابو الفتوح الحصری[2]، قاضی ابراہیم قرنطی[3] اور ابو منصور بن الرزاز سعید بن محمد بغدادی[4] سے

[1] قاضی سعد الدین کردی شریعت کے بڑے متبع اور بلند پایہ محدث تھے، فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، اسی لیے سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں ہندوستان کے سب سے بڑے قاضی تھے [2] برہان الدین ابو الفتوح نصر بن ابو الفرج محمد بن علی بغدادی حنبلی بغداد میں پیدا ہوئے مگر بعد میں مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرلی، اور یہیں حدیث کا درس دیا، اسی لیے "امام الحرم" اور "امام الحطیم" کے لقب سے مشہور ہوئے، ان کی یادداشت نہایت قوی تھی، اور ذہانت وذکاوت میں بے مثال تھے، وہ حافظ حدیث، حجت اور دین کے بلند ترین علماء میں بھی تھے، اور بڑے مرتاض اور (باقی اگلے صفحہ پر)

سماعت حدیث کی، اور یگانۂ فن فقہا، سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، جن میں سر فہرست شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن علی مرغینانی[1] کا اسم گرامی ہے،

علامہ صغانی نادرۂ روزگار اور ممتاز ترین شخص تھے، اسی لیے تذکرہ نگار ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں، صاحبان تذکرہ کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے دور کے جلیل القدر امام، جملہ علوم وفنون کے عالم وفاضل، نحو اور لغت کے امام مفسر ومحدث تھے، نیز فن حدیث کے ناقد، اخبار وانساب کے ماہر، علم الرجال اور سیرت کے واقف کار، حنفی فقہ کے اعلیٰ فقیہ، محقق ومورخ، شاعر وادیب تھے، نہایت صادق وامین، پیکر علم وتقویٰ اور صالح بزرگ تھے، فضول گفتگو سے کنارہ کش رہتے تھے، وہ سیر وسیاحت کے شائق بھی تھے، چنانچہ علامہ نے اپنی تصنیف "العباب الزاخر" میں تصریح کی ہے کہ "میں ہندوستان اور سندھ کے مشرق ومغرب میں چالیس [۴۰] سال سے زیادہ گھوما ہوں"۔ تحقیق وجستجو کا انہیں فطری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۷) شب زندہ دار بزرگ بھی تھے، ۶۱۹ھ میں انتقال ہوا، علامہ صغانی نے مکہ معظمہ میں ان سے حدیث کی سماعت کی، [3] قاضی ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن عبد اللہ بن محمد بن سالم قریظی شافعی عظیم الشان محقق، فقیہ اور محدث تھے، اور "خطیب عدن" کے لقب سے مشہور تھے، ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں وفات ہوئی، [4] ابو منصور بغدادی فن حدیث میں یکتائے روزگار تھے، علامہ صغانی نے ابن العماد حنبلی کی صراحت کے مطابق بغداد میں ان سے "مسلسلات" کا سماع کیا، اور وہیں ۶۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مرغینانی ان فقہا میں تھے جنہیں نزاع خصومات اور مناقشات طے کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا، اپنے والد بزرگوار صاحب ہدایہ کی مانند "شیخ الاسلام" کے لقب سے مشہور ہوئے، فتاویٰ میں انکا ارشاد حرف آخر سمجھا جاتا تھا، فقہ میں متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں، اور ۶۰۰ھ کے بعد عالم فانی سے عالم آخرت کے لیے رخت سفر باندھا،

ذوق تھا غرض وہ علمی حیثیت سے جس قدر ممتاز تھے، اسی طرح اخلاقی حیثیت سے بھی ممتاز تھے، بڑے منکسر المزاج، حلیم الطبع، صادق القول، وسیع القلب اور کثیر المطالعہ تھے۔

امام صغانی تصنیف وتالیف اور درس وتدریس میں بھی ممتاز تھے، اور یہ شغل انہوں نے دم واپسیں تک نہ چھوڑا، سفر وحضر میں بھی ان کے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا، آخر عمر تک اس میں کوئی فرق نہیں آیا، اسی لیے ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، یمنی وعدنی علماء وفضلاء کی بڑی تعداد نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم کی تحصیل کی تھی، تلامذہ میں شیخ شرف الدین دمیاطی[1]، امام بطال بن احمد[2]، سلیمان بن الفقیہ بطال[3]، شیخ منصور بن حسن[4]،

---

[1] شیخ ابو محمد شرف الدین عبد المومن بن خلف بن ابو الحسن بن شرف بن الخضر بن موسیٰ دمیاطی شافعی (متوفی ۷۰۵ھ / ۱۳۰۶ء) خوش اخلاق، خوش گفتار، فصیح، لغوی، مقری، بلند حوصلہ، عالی ہمت، امام وقت، حافظ حدیث، ثقہ اور متعدد علوم وفنون کے ماہر تھے، اپنے عہد کے فضلاء سے مختلف شہروں اور ملکوں میں جا کر کسب علم کیا، اور بے شمار طلبہ نے ان سے سماع حدیث کیا، چند اہم تصانیف بھی یادگار چھوڑیں، [2] محدث محمد بن احمد بطال علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، ارباب کمال سے کسب کمال کیا، ابن ابی مخرمہ کی تصریح کے مطابق یمن میں ان کا اور علامہ صغانی کا کچھ عرصہ ساتھ رہا، اور ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا [3] ابو الربیع سلیمان بن الفقیہ بطال محمد بن احمد حسین وجمیل، خوشخط، فقیہ، نہایت دیندار اور عارف کامل تھے، ان پر علم حدیث، ادب اور علم دین کا غلبہ تھا علوم کی تحصیل زیادہ تر اپنے والد اور علامہ صغانی سے کی تھی، دونوں میں باہم دوستی اور مودت اسی وقت سے قائم ہو گئی تھی، جب علامہ صغانی کا قیام انکے والد کے یہاں تھا، اور وہ اسوقت زیر تعلیم تھے، انکی شرافت وذکاوت سے صغانی بہت متاثر تھے [4] شیخ منصور متوفی ۷۰۰ھ / ۱۳۰۰ء یمن کے نامور ادیب اور ادبیات میں بے نظیر تھے، نہایت قوی الحافظہ اور "دولت مظفریہ وصدر المؤیدیہ" کے اعلیٰ کاتبوں میں سے تھے۔

فقیہ احمد بن علی شردُدی، سعد بن مسعود[1]، عز الدین ابن الوزیر العلقمی، نظام الدین محمود بن عمر ہردی، محی الدین ابو البقا صالح بن عبد اللہ بن جعفر بن علی بن صالح اسدی کوفی معروف بہ ابن الصباغ اور شیخ برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی شارح "آثار النیرین فی اخبار الصحیحین" کے اسمار خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، خلیفۂ وقت المستنصر باللہ نے صغانی سے حدیث پڑھکر سند لی تھی، اور مستنصر سے پہلے خلیفہ الناصر لدین اللہ نے بھی ان سے حدیث کی سماعت کی تھی،

سلطان قطب الدین ایبک نے علامہ صغانی کی ذہانت اور تبحر علمی کی بنا پر لاہور کا قاضی مقرر کرنا چاہا، مگر صغانی نے اپنی درویشانہ طبیعت کے پیش نظر یہ عہدہ مسترد کردیا، اور لاہور سے کول (علی گڑھ) چلے آئے، اور یہاں نائب مُشرف مقرر کیے گیے، جس کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیے، لیکن ایک مرتبہ مشرف سے نازیبا حرکت صادر ہوئی تو ملازمت ترک کردی، اس کے بعد حاکم کول حسام الدین اوغلبگ نے سونٹکوں پر اپنے فرزندوں کی تعلیم کے لیے انہیں اتالیق مقرر کیا، اور وہ اسی قلیل آمدنی پر گذر بسر کرتے رہے، کول میں قیام کے درمیان درس و تدریس کے فرائض بھی برابر انجام دیئے، پھر سنہ ۵۹۹ھ میں حج کے لیے روانہ ہوئے اور طویل عرصے تک حجاز میں مقیم رہ کر متعدد بار فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اور وہاں کے فاضل محدثین سے حدیث کی سماعت کی، سنہ ۶۰۵ھ میں عدن تشریف لے گیے، اور وہاں بھی حدیث کی سماعت کی، سنہ ۶۰۶ھ میں ہندوستان کو مراجعت کی، اور تین[3] سال تک ہندوستان کی سیاحت کی، اپنی تصانیف میں انھوں نے جن مقامات کا بھی ذکر کیا ہے، وہ حقیقت اور مشاہدہ پر مبنی ہیں، سنہ ۶۱۰ھ میں پھر حج کیا، اور

[1] ابو محمد سعد بن مسعود النجوی تلمیذ قاضی ابراہیم قرنطی سے "خطب نباتیہ" پڑھتے تھے. اس کی سند انہیں علامہ صغانی سے عدن میں حاصل ہوئی تھی،

مکہ معظمہ سے عدن آگیے، سنہ ۶۱۳ھ میں حج وزیارت سے مشرف ہوکر ہندوستان تشریف لائے، بعد ازاں سنہ ۶۱۴ھ میں فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد سنہ ۶۱۵ھ میں بغداد تشریف لے گیے، اور وہاں "مسلسلات" کا سماع کیا،

سنہ ۶۱۵ھ میں بغداد میں احتساب کا محکمہ سپرد ہوا، علامہ صغانی نے اس فرض کی انجام دہی کے ساتھ درس و تدریس، اور وعظ و تقریر کا سلسلہ بھی جاری رکھا، خلیفۂ وقت الناصر لدین اللہ عباسی نے جب ان سے حدیث پڑھی، تو ان کے فضل و کمال، زہد و تقویٰ اور فراست و ذہانت سے اتنا متاثر ہوا، کہ خلعت عطا کی، اور سنہ ۶۱۶ھ میں سلطان التتمش کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا، اس زمانہ میں انھوں نے ہندوستان کی سیاحت بھی کی، خلیفہ مستنصر باللہ متوفی سنہ ۶۴۰ھ سنہ ۱۲۴۳ء نے تخت نشین ہونے کے بعد علامہ صغانی کو بغداد طلب کیا، وہ سنہ ۶۲۴ھ میں بغداد پہنچے، اور اسی سال ایک وفد کی سرکردگی میں نہیں پھر دہلی واپس بھیجا گیا، یہ وفد سنہ ۶۲۵ھ میں ہندوستان کے حدود میں داخل ہوا، اور دہلی پہنچا، یہاں وفد کا شاندار استقبال کیا گیا، اس مرتبہ بھی صغانی کا قیام ایک جگہ نہیں رہا، مگر جہاں بھی رہے درس و تدریس کا شغل برابر جاری رکھا، تشنگان علوم کی جماعت سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہتی تھی، انکے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنیوالوں میں ملوک و سلاطین بھی تھے اور فقرا و مساکین بھی،

علامہ صغانی کی سیر و سیاحت اسلامی ممالک تک ہی محدود نہیں تھی، بلکہ دار الحرب میں بھی ان کی آمد و رفت رہتی تھی، جہاں انہیں عبادت و ریاضت کا زیادہ موقع ملتا تھا،

بتاریخ ۲۰ شعبان سنہ ۶۳۳ھ سنہ ۱۲۳۶ء سلطان التتمش کا انتقال ہوا، اور اس کا منجھلا بیٹا رکن الدین تخت سلطنت پر متمکن ہوا، سنہ ۶۳۴ھ میں زمام کار ملکہ رضیہ کے ہاتھ میں آگئی،

اور یہاں کی سیاسی فضا مکدر ہو گئی، تو غالباً صغانی حج کی اجازت لے کر حرمین شریفین گئے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد ماہ صفر ۶۳۵ھ تک حجاز مقدس میں اقامت گزیں رہے، چونکہ علماء نے ملکہ رضیہ کی حکمرانی کو کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا، اسی لیے صغانی کو بھی ہندوستان میں قیام پسند نہ تھا، چنانچہ انھوں نے یہاں سے رستگاری کی تدبیریں شروع کیں، لیکن ملکہ رضیہ نے برسر اقتدار ہونے کے بعد خلافت بغداد سے تعلقات میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے دیا تھا، لہذا خواہش کے باوجود عباسی خلیفہ نے انہیں بغداد واپس بلانا خلاف مصلحت سمجھا، مگر ان کی مساعی برابر جاری رہیں، یہاں تک کہ ۶۳۷ھ میں بغداد واپس گئے،

علامہ صغانی نے قیام ہندوستان کے زمانہ میں تصوف میں جو بلند درجہ حاصل کیا اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ جب وہ بغداد پہنچے تو خلیفہ مستنصر نے انہیں "رباط المرزبانیہ"[1] کا صدر مقرر کیا، چونکہ شیخ سہروردی شافعی المذہب تھے، اور انھوں نے غالباً وقف کے وقت خلیفہ ناصر سے یہ شرط کرالی تھی کہ اسکا صدر ہمیشہ شافعی المذہب ہوگا، صغانی کو اس شرط کا علم نہ تھا، لہذا پانچ سال تک صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے، مگر جب کسی ضرورت سے وقف نامہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد میں ۶۴۳ھ میں فوراً صدارت سے دست بردار ہو گیے، پھر مستعصم نے انہیں اضاف کے قائم کردہ

---

[1] خلیفہ الناصر لدین اللہ شیخ شہاب الدین سہروردی متوفی ۶۳۲ھ کا عقیدتمند تھا، انکے فضل وکمال اور زہد وورع سے وہ اس قدر متاثر تھا کہ مسلم بادشاہوں کے دربار میں انکو سفیر بنا کر بھیجتا تھا، اسنے ان کی رہائش کے لیے بغداد کی سرسبز وشاداب "مرزبانیہ" نامی بستی میں ایک نہایت کشادہ اور عالی شان مکان تعمیر کرایا، اس میں حمام بنوایا اور باغ لگوایا، نیز ایک سرائے اور خانقاہ تعمیر کرا کے فقراء اور اہل اللہ کے لیے وقف کردی، یہی سرائے "رباط المرزبانیہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔

"مدرسہ تتشیہ"[2] نامی درسگاہ میں مدرس مقرر کردیا، اور خلعت خاص سے سرفراز کیا، جب وہ پہلی مرتبہ اس دانشگاہ میں آئے، تو ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا، اور تدریس سے فارغ ہو کر برجستہ چند اشعار پڑھے، خلیفہ مستعصم کا وزیر موید الدین محمد بن احمد علقمی غالی شیعہ ہونے کے باوجود صغانی کی قدرو منزلت کرتا، بڑے احترام سے پیش آتا، ہر طرح سے دل جوئی کرتا اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھتا تھا، اس نے اپنے فرزند عز الدین ابوالفضل علقمی کی تعلیم وتربیت کے لیے جہاں اور نادرۂ روزگار فضلاء کو مامور کیا تھا، وہاں ادب ولغت کی تعلیم کے لیے صغانی کی خدمات حاصل کی تھیں، چنانچہ وہ ابن العلقمی کے محل میں تشریف لے جاتے تھے،

علامہ صغانی کثیر التصانیف تھے، جن کے نام اور بعض کتابوں کا مختصر تعارف درج ذیل کیا جاتا ہے:

۱۔ مشارق الانوار:۔ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کی اہمیت، مباحث کی تفصیل اور شائع حین

---

[2] سلطان الپ ارسلان کے فرزند ارجمند تاج الدولہ ابو سعید تتش سلجوقی متوفی ۴۸۸ھ کا ایک غلام خمار تکین بن تاشکین نامی تھا، اس نے اپنی وفاداری، فرض شناسی، غیر معمولی شجاعت اور قابلیت کی وجہ سے اپنے آقا تاج الدولہ کی نگاہ میں خاص اعتماد پیدا کر لیا تھا، اس کے انتقال کے بعد محمد بن ملک شاہ سلجوقی متوفی ۵۱۱ھ کے دربار میں خمار تکین کو بڑی قدرو منزلت حاصل ہو گئی تھی، اور دربار میں اس کا طوطی بولتا تھا، اس کے پاس مال ودولت کی بڑی فراوانی تھی، اس نے رفاہ عام کے کارہائے نمایاں انجام دیئے، حاجیوں اور مسافروں کے لیے "رے" اور "سمنان" میں نہایت عالیشان سرائیں تعمیر کرائیں، بغداد میں مسجدیں اور سڑکیں بنوائیں، شفاخانے اور مدرسے کھولے، مگر اس وفادار اور حق شناس خادم نے ان سب کو اپنے نام سے منسوب کرنے کے بجائے اپنے آقا کے نام ہی سے منسوب کرنے کو باعث فخر سمجھا، خمار تکین کا انتقال ۵۰۸ھ میں ہوا؛

کے اسماء کی وضاحت کی ہے۔ صغانی نے "مقدمہ مشارق الانوار" میں خود صراحت کی ہے کہ "وہ
اس کتاب کو صحت، درستگی، استحکام اور متانت کے اعتبار سے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجت
اور وسیلہ سمجھتے، اور اسے اپنی زندگی کا انیس اور عقبیٰ کے لیے موجب نجات قرار دیتے تھے۔"[1]
اس کتاب میں صغانی نے "صحیح بخاری و صحیح مسلم" کا انتخاب کیا ہے، اس کتاب کے ایک شارح
گازرونی کے بیان کے مطابق اس مجموعے میں احادیث کی کل تعداد دو ہزار دو سو چھیالیس ہے،
اس کتاب میں بارہ[12] ابواب ہیں۔ "خا" سے مراد بخاری "میم" سے مسلم اور "ق" سے متفق علیہ ہے۔
صغانی نے یہ کتاب خلیفہ مستنصر باللہ کے لیے تصنیف کی تھی، اور اس میں اپنی چار کتابوں مصباح الدجیٰ،
الشمس المنیرہ، کتاب الشبہات، کتاب النجم کو یکجا کر دیا تھا، گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے
اس کتاب کو عام مقبولیت حاصل ہوئی، اور آج تک یہ فن حدیث کی بلند پایہ کتابوں میں شمار
ہوتی ہے۔ علمائے حدیث نے اس کی بڑی قدر کی، ہندوستان کے مروجہ عربی نصاب میں یہ کتاب
داخل درس رہی، اور عرصہ دراز تک حدیث کی انتہائی تعلیم کا دارومدار اسی کتاب پر رہا، یہ کتاب
بیرون ہند کے علاوہ ہندوستان میں دسیوں بار طبع ہوئی ہے، اس کتاب کا فارسی زبان میں
ترجمہ ہوا اور حواشی لکھے گئے، اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا پورا نام
"مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ" ہے۔

۲۔ مصباح الدجیٰ من صحاح حدیث المصطفیٰ: فن حدیث کی کتاب ہے۔

۳۔ الشمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ: فن حدیث کی کتاب ہے۔

۴۔ شرح صحیح البخاری: اس میں علامہ صغانی نے صحیح بخاری کی مختصر شرح لکھی ہے جو
ایک جلد پر مشتمل ہے۔

۱؎ کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۶۸۹

۵۔ کتاب فی الضعفاء والمتروکین فی رواۃ الحدیث: کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ فن
اسماء الرجال کی کتاب ہے۔

۶۔ الدر الملتقط فی تبیین الغلط: علم درایت حدیث کے بارے میں قضاعی نے اپنی
کتاب "الشہاب" اور ملیشی نے اپنی کتاب "النجم" میں جو کچھ ذکر کیا ہے، علامہ صغانی نے
اس کو جمع کر کے صحیح و غلط کی نشاندہی کی ہے۔

۷۔ رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ: شیخ محمد ابو الحسن القاوقجی کی کتاب "اللؤلؤ المرصوع
فیما لا اصل لہ او باصلہ موضوع" کے آخر میں علامہ صغانی کا یہ رسالہ بھی شامل ہے، جو جدیہ
کے المطبعۃ البارونیہ سے طبع ہو چکا ہے، اور چھوٹے سائز کے بارہ[12] صفحات پر حاوی ہے،
رسالہ کا ایک مخطوطہ نسخہ تیموریہ لائبریری میں محفوظ ہے۔

۸۔ کشف الحجاب عن احادیث الشہاب: صغانی نے قضاعی کی تالیف "الشہاب"
کی موضوع احادیث کو بیان کیا ہے۔

۹۔ کتاب النجم: فن حدیث کی کتاب ہے۔

۱۰۔ مجمع البحرین: علامہ صغانی نے اس نام کی دو کتابیں لکھیں، ایک فن حدیث میں
اور دوسری لغت میں، جس کا تعارف آگے کرایا جائے گا۔

۱۱۔ در السحابہ فی بیان مواضع وفیات اکابر الصحابہ: علامہ صغانی نے اس میں اپنی ایک
مختصر کتاب "مختصر الوفیات" اور اس کے ذیل کو جس میں صحابہؓ کی وفات کی جگہوں کا بیان تھا،
بہ ترتیب حروف تہجی یکجا کر دیا تھا، اس کا ایک نسخہ مکتبہ خدیویہ قاہرہ میں محفوظ ہے۔

۱۲۔ کتاب السالکین، (۱۳) مناسک الحج یا مناسک الصغانی، (۱۴) کتاب الفرائض
یا فرائض الصغانی۔

۱۵۔ التکملہ علی الصحاح یا "التکملہ والذیل والصلہ": ابو نصر اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۶ھ کی مشہور تصنیف "الصحاح" پر علامہ صغانی نے اس کی ترتیب کے مطابق چھ جلدوں میں "التکملہ" کی تالیف کی اور اس میں وہ چیزیں بھی شامل کی ہیں، جنہیں جوہری نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کا یہ حجم "الصحاح" سے بھی زیادہ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں اور دوسرا نسخہ استنبول کے مکتبہ سلیمانیہ میں محفوظ ہے، ایک اور قدیم مخطوطہ ٹیونس میں ہے، اور کتاب کی جلد اول برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے،

۱۶۔ مجمع البحرین:۔ لغت کی یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے، صغانی نے اس میں جوہری کی "الصحاح" اور اپنی تالیف "التکملہ" کو جمع کیا ہے، اس میں پہلے صحاح کیلئے "ص" کی علامت مقرر کی ہے، اس کے بعد التکملہ میں تحریر شدہ مواد درج کیا ہے، اور اس کے لیے "ت" کی علامت مقرر کی ہے، کتاب کا ایک قلمی نسخہ دس جلدوں میں "دار الکتب المصریۃ" میں محفوظ ہے، علاوہ ازیں استنبول کے مکتبہ کوبرلی، ٹیونس کے "الخزانۃ الخصوصیہ" پیرس کی نیشنل لائبریری، پٹسبرگ یونیورسٹی اور دودھام کی "معہد الدراسۃ الشرقیہ" میں بھی ایک ایک مخطوطہ موجود ہے،

۱۷۔ العبادات الزاخرہ واللباب الفاخرہ:۔ امام لغت صغانی کی یہ کتاب فن لغت میں خاص امتیاز رکھتی ہے، صغانی نے "الصحاح" اور "لسان العرب" کے طریقہ پر کلمات کے اواخر کے اعتبار سے اس کو علقمی کے بیٹے کے لیے مرتب کیا تھا، اور کبار ائمہ لغت کے سوانح حیات کا اضافہ بھی کیا ہے، جلال الدین سیوطی کا بیان ہے کہ جوہری کی "الصحاح" کے بعد ابن سیدہ ابو الحسن علی بن اسماعیل[1] نے لغت میں "کتاب المحکم والمحیط الاعظم" کے نام

[1] ابن سیدہ مشہور فاضل لغت تھے جو نابینا تھے، مگر ذہانت و حافظہ میں یکتا تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سے ایک عظیم کتاب تالیف کی، اس کے بعد صغانی نے یہ عظیم الشان کتاب لغت میں تالیف کی جو نا تمام ہے، صغانی باب المیم کی فصل الباء تک پہنچے تھے، اور اپنے قلم سے "بکم" لکھا تھا کہ اچانک روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اس سانحۂ رحلت سے متاثر ہو کر کسی شاعر نے کہا تھا:

ان الصغانی الذی — حاز العلوم والحکم

(بے شک صغانی جس کی ذات مختلف علوم اور حکمتوں کی جامع تھی)

کان قصاری امرہ — ان انتھی الی بکم

(ان کا بھی سارا زور لفظ "بکم" (گونگا پن) تک پہنچ کر ختم ہو گیا، اور کتاب ناقص رہ گئی)

مگر "القاموس" کے مصنف امام مجد الدین فیروز آبادی کے بیان سے مترشح ہوتا ہے، کہ کتاب مکمل ہو گئی تھی، ممکن ہے کہ کتاب کی آخری جلدیں تلف ہو گئی ہوں، اور حاجی خلیفہ کی نظر سے مکمل کتاب نہ گزری ہو، فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء نے بھی طالبین کے اصرار سے مجبور ہو کر عربی لغت میں ایک ضخیم کتاب ساٹھ جلدوں میں لکھی تھی، جو زیادہ تر ابن سیدہ کی کتاب "المحکم" اور صغانی کی "العباب الزاخر" پر مبنی تھی، اس کا نام "اللامع المعلم العجاب الجامع بین المحکم والعباب" تھا، ان کی کتاب "القاموس" کی دونوں جلدیں اسی کا خلاصہ ہیں، مصنف دیباچے میں لکھتے ہیں کہ "المحکم" اور "العباب" لغت میں بہترین کتابیں ہیں، آج "اللامع" اور "العباب" دونوں ناپید ہیں، البتہ "العباب" کی صرف چار جلدیں آستانہ کی "ایا صوفیا" اور "کوبرلی" نامی دو لائبریریوں میں موجود ہیں، اور ایک جلد "دار الکتب المصریہ" میں محفوظ ہے، اس کتاب کا ایک حصہ (حرف ہمزہ) شیخ محمد حسن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶) ان کے والد بھی نابینا اور لغت کے بڑے عالم تھے، مزید حالات کیلئے ملاحظہ ہو: طبقات الامم لصاعد الاندلسی، الوفیات لابن خلکان (مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ) ۱: ۳۴۲، بغیۃ الوعاۃ: ۳۲۷، معجم الادباء ۱۲: ۸۴، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ۴۱۸ و ۴۱۹ -

آل یسین کی تحقیق کے ساتھ بغداد سے ۱۹۷۷ء میں شایع ہو چکا ہے،

۱۸۔ الشوارد فی اللغۃ:۔ علامہ صغانی نے اس میں ایسے عربی الفاظ کو جمع کیا ہے جن میں بعض ائمہ لغت منفرد ہیں، اسکا ایک قلمی نسخہ استنبول کے "مکتبۂ داماد زادہ" میں محفوظ ہے،

۱۹۔ الاضداد فی اللغۃ:۔ یہ رسالہ عربی کے لغات اضداد میں ہے صغانی نے اس میں تین سو چھتیس (۳۳۶) لغات اضداد کے معنی بیان کیے ہیں، اسکی ترتیب حروف تہجی کے مطابق ہے، اور یہ ان تمام لغات اضداد کا مجموعہ ہے جو محمد بن المستنیر قطرب متوفی ۲۰۶ھ کے عہد سے لیکر عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کے وقت تک مختلف مصنفوں نے لکھے ہیں، ڈاکٹر مظفر کی مساعی سے ابن السکیت کی "کتاب الاضداد" کے ساتھ یہ رسالہ بھی ۱۹۱۳ء میں بیروت سے شایع ہو چکا ہے، جو اٹھائیس (۲۸) صفحات پر مشتمل ہے، اس کا ایک ایک مخطوطہ برلن اور مکتبہ داماد زادہ میں محفوظ ہے،

۲۰۔ اسماء الغادہ فی اللغۃ:۔ اسکا ایک قلمی نسخہ مکتبہ داماد زادہ میں ہے اور دوسرا نسخہ مکتبہ خدیویہ میں ہے،

۲۱۔ اسماء الذئب فی اللغۃ:۔ خلیفہ مستعصم باللہ کی قدردانی اور اس کے وزیر ابن العلقمی کی عزت افزائی نے صغانی کو انکے ہمعصروں کی نظر میں محسود بنا دیا تھا، بعض حاسدوں نے انہیں طرح طرح سے تنگ کیا، مگر وہ خاموشی کے ساتھ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے، جب انکی آتش حسد کسی طرح ٹھنڈی نہ ہوئی تو صغانی نے ان کے وہ خصائل جو ان میں اور بھیڑیے میں مشترک تھے، ایک رسالے میں جمع کر دیے، اور اسکا نام "کتاب الذئب" رکھا، یہ رسالہ ۱۳۳۲ھ میں مطبعہ احمد کامل سے طبع ہو چکا ہے،

۲۲۔ اسماء الاسد فی اللغۃ:۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبۂ خدیویہ تیموریہ میں محفوظ ہے،

۲۳۔ نوادر اللغۃ، (۲۴) کتاب الاضداد (۲۵) التجرید وحمل الصغانی،

۲۶۔ خلق الانسان فی اللغۃ:۔ مکتبۂ داماد زادہ میں ایک مخطوطہ موجود ہے،

۲۷۔ کتاب الانفعال فی اللغۃ:۔ مکتبۂ داماد زادہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے،

۲۸۔ کتاب یفعول فی اللغۃ:۔ مکتبہ داماد زادہ اور دار الکتب المصریہ میں ایک ایک قلمی نسخہ موجود ہے، علامہ سیوطی نے بطور نمونہ چند الفاظ مثلاً "یسروع، یعسوب، یعفور وغیرہ (المزہر: ۱۵۱ و ۱۵۲) میں نقل کرکے صغانی کی تالیف کا تعارف کرایا ہے، علامہ حسن حسنی عبدالوہاب نے اس کو ایڈٹ کرکے ۱۹۳۵ء میں تیونس سے شایع کیا ہے،

۲۹۔ نقعۃ الصدیان فیما جاء علی وزن فعلان:۔ مکتبہ داماد زادہ اور دار الکتب المصریہ میں اس کا ایک ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

۳۰۔ کتاب المفعول (۳۱) کتاب الافتعال۔

۳۲۔ ما بنتہ العرب علی فعال:۔ ڈاکٹر عزت حسن کی تحقیق کے ساتھ "مجلۃ المجمع العلمی العربی: ۳۹، ۲۹۵، ۳۱۲، ۴۶۹، ۴۸۶، ۶۴۵، کل ترپن (۵۳) صفحات میں تقریباً نصف کتاب تین قسطوں میں شایع ہو چکی ہے، اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب کو مکمل کتاب شایع ہونے کا علم ہوا، تو تحقیق کا یہ سلسلہ بند کر دیا، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ صغانی کی یہ تالیف حروف معجم کے اعتبار سے مرتب ہے، صغانی نے ثلاثی سے استعمال ہونے والے ایک سو تیس (۱۳۰) الفاظ اس طرح درج کیے ہیں: "بلاء، ثراء، نغاء، اباب، حباب ..... ہمام، ہیان" پھر رباعی سے استعمال ہونے والے "بجباج، محاج، عرعار، قرقار، دہداع، حمحام، ہمہام" سات الفاظ درج کیے ہیں، بعد ازاں اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے "الہمزہ، الباء" وغیرہ کے تحت ترتیب وار تحقیق کی، صغانی نے تفصیل میں ہر ایک لفظ کے معنی بتائے اور ثبوت و تائید کے طور پر عربوں کے مشہور اقوال، امثال اور اشعار نقل کیے ہیں، ڈاکٹر عزت حسن نے حرف شین "فشاش" تک بہتر الفاظ کی تحقیق کی ہے، اس کی اجمالی فہرست میں درج

شدہ "نفاء، شعار" دو لفظوں کی تحقیق تفصیل میں درج نہیں ہے، اور دو لفظوں "نفاء، شغار" کی تحقیق کا اضافہ[۴]

۳۳۔ تعزیزبیتی الحریری :۔ کتبخانہ داماد زادہ میں ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

۳۴۔ شرح قلادہ السمطیہ فی توشیح الدریدیہ ۳۵، شرح ابیات المفصل، ۳۶۔ کتاب تکملۃ العزیزی،

۳۷، کتاب اسماء السعادۃ، ۳۸۔ کتاب فعول، ۳۹۔ کتاب فی الصرف۔

۴۰۔ المختصر فی العروض :۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ داماد زادہ میں محفوظ ہے،[۱]

علامہ صغانی نے بغداد میں تہتر سال کی عمر میں بتاریخ ۱۹ شعبان ۶۵۰ھ عالمِ آخرت کیلئے رختِ سفر باندھا، انھوں نے اپنے فرزندوں کو وصیت کی تھی کہ میری لاش مکہ مکرمہ لیجا کر حضرت فضیل بن عیاضؒ متوفی ۱۸۷ھ کی قبر کے متصل دفن کرنا، پہلے حریم طاہری میں دفن کیے گیے جہاں انکا قیام تھا چند دن بعد مکہ معظمہ بھیجا گیا اور حرم مکہ میں "جنۃ المعلاۃ"[۲] کے اندر حسب وصیت حضرت فضیل بن عیاض کی قبر کے پاس جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کیا گیا، صغانی کے بعض شاگردوں نے مرثیے لکھے، علامہ زمخشری نے اپنے استاذ ابومضر کی وفات پر درد انگیز اشعار کہے تھے، اسی انداز کے علی بن حسن بن محمد بن عمر بن اسماعیل الشہرزوری کے چچا احمد بن محمد نے مرثیہ لکھا، اسکے دو شعر درج ذیل ہیں :۔[۳]

ابا الفضائل، قد زودتنی اسفا — اضعاف ما زدت قداری فی الوری

(رحلت کے وقت جب اشک تیزی سے رواں تھے تو میں کہہ رہا تھا) اے ابوالفضل آپ نے علمی کمالات دیکر دنیا میں جس قدر میری منزلت بڑھائی تھی اس سے کئی گنا زیادہ مجھے رنج واندوہ کا توشہ دیا،

قد کنت تودع سمعی الدر منتظما — فخذہ من جفن عینی الآن منتشرا

(آپ نے میرے کانوں میں پرو کر سلک مروارید کو امانت رکھا تھا، اب انہی موتیوں کو میری شرگانِ پراگندہ حالی میں لے لیجئے)

اس کے علاوہ بھی متعدد مرثیے کہے گیے جن کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔ (باقی)

---

[۱] علامہ صغانی کی مذکورہ بالا تصانیف کا مختلف تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے، مگر انکے علاوہ بھی انکی تصانیف رہی ہونگی،

[۲] المعلاۃ، مکہ مکرمہ اور بدر کے درمیان واقع ہے، یہاں کا قبرستان "جنۃ المعلاۃ" کے نام سے مشہور ہے، [۳] تاریخ نغرمت ۱۵۵،

ادبیات

تجدید پیماں کا سفر

اقبال عالمی کانگرس پاکستان میں شرکت کے بعد ہندوستان واپس پہنچنے پر

(۱)

از پروفیسر جگن ناتھ آزاد جموں

کیا بتائیں کس خیاباں کے سفر سے آئے ہیں — زندگی، ہم چاکِ داماں کے سفر سے آئے ہیں

اہتزازِ روح سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم — اک عجب سرشاریٔ جاں کے سفر سے آئے ہیں

دل میں کیوں تازہ ہے پھر جی سے گزر جانے کی خو — شاید اک تجدیدِ پیماں کے سفر سے آئے ہیں

دوستوں کی وہ محبت، وہ توجہ، وہ تپاک — کتنی دلکش بزمِ یاراں کے سفر سے آئے ہیں

کیوں ہماری مسکراہٹ میں ہے اشکوں کا گزر — کس دیارِ وصل و ہجراں کے سفر سے آئے ہیں

ہم کبھی عمرِ گذشتہ چھوڑ آئے تھے جہاں — آج اسی اپنے شبستاں کے سفر سے آئے ہیں

ہر نفس پر ہو رہا ہے موجِ نکہت کا گماں
زندگی ہم کس گلستاں کے سفر سے آئے ہیں

ذکر اک محبوب کا تھا اور بیاں عشاق کا — ہائے کیسی بزمِ جاناں کے سفر سے آئے ہیں

روبرو یوں محفلِ اقبال ہے اے دل کہ ہم — جیسے لمحاتِ گریزاں کے سفر سے آئے ہیں

اللہ اللہ کس قدر اپنی نظر میں ہیں بلند — کس مقامِ اوجِ انساں کے سفر سے آئے ہیں

شہرِ اقبال اور شہرِ مرقدِ اقبال بھی
ہائے کس کیفیت جاں کے سفر سے آئے ہیں

غزل

از ڈاکٹر محمود الرحمن اسلام آباد (پاکستان)

یہ دل کا دیپک عجیب سا ہے، کبھی بجھ رہا ہے کبھی جل رہا ہے
کبھی سکوں میں دھواں دھواں ہے، کبھی آندھیوں میں سنبھل گیا ہے

تپش کچھ ایسی یہ وقت کے اس رواں دواں آفتاب میں ہے
پگھل پگھل کے ہر آدمی اب نرالے سانچے میں ڈھل رہا ہے

ہماری آنکھوں نے جو بھی دیکھا فضائے عالم میں مدتوں سے
مشاہدہ اب قلم کی بھٹی سے شعر بن کر نکل رہا ہے

ہمارے آبا نے جو خزانے دبا کے رکھے تھے صدیوں پہلے
زمیں کا خطہ وہی دفینہ ہمارے آگے اگل رہا ہے

کبھی لبوں پر ہے مسکراہٹ، کبھی ہے آنکھوں میں اک نمی سی
نظام یہ زندگی کا روز ازل سے ایسا ہی چل رہا ہے

شعور کو زنگ لگا تھا لیکن شعور مردہ نہیں ہوا تھا
جسے سمجھتے تھے نیم جاں تم، سنو وہ کروٹ بدل رہا ہے[1]

بزعمِ عقل و خرد تغیر نظامِ شمسی میں لانے والو!
خدا کا قانون کس نے بدلا کہ یہ ہمیشہ اٹل رہا ہے

بلادِ مشرق کے رہنے والو، پناہ گاہوں سے اب تو نکلو
اٹھا تھا مغرب کی وادیوں سے جو ایک طوفان، ٹل رہا ہے

ملے وہ محمود بعد مدت تو ہنس کے پوچھا "کہو ہو کیسے"
غموں کا مارا یہ دل عجب ہے اسی بات سے اب بہل رہا ہے

---

[1] تیسری دنیا کی تحریک احیاء۔

مطبوعات جدیدہ

آئینۂ ملفوظات : از جناب مولانا اخلاق حسین دہلوی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۸۰، قیمت ۲۵ روپیے، مجلد مع گردپوش۔

پتے: (۱) کتب خانہ انجمن ترقی اردو ۱۸۱۰ء جامع مسجد، اردو بازار، دہلی (۲) فضل برادرز، مرکزی کتاب گھر، بستی نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی

مولانا اخلاق حسین دہلوی کو صوفیائے کرام سے والہانہ عقیدت ہے اور کتب تصوف کا مطالعہ و تحقیق ان کا محبوب مشغلہ ہے، اس سلسلہ میں صوفیہ اور تصوف پر کئے جانے والے غیر ذمہ دارانہ اعتراضات کا جواب بھی وہ برابر دیتے رہتے ہیں، کئی برس پہلے بعض حضرات نے ہندوستان کے چشتی سلسلہ کے اکابر صوفیہ کے بعض مجموعہ ملفوظات کے جعلی ہونے کا دعویٰ کیا، تو سب سے پہلے جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ناظم دار المصنفین نے ایک مبسوط محققانہ مقالہ سپرد قلم کیا جو معارف میں بالاقساط چھپا، مولانا اخلاق حسین صاحب نے بھی تصوف سے اشتغال و تعلق اور صوفیائے کرام سے عقیدت و محبت کی بنا پر اس مہم میں سرگرم حصہ لیا اور معارف کے کئی نمبروں میں طویل مضامین لکھے جن میں ملفوظات کو جعلی قرار دینے والوں کا مدلل جواب دیا، یہ کتاب ان کے انہی مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں تصوف کی تین اہم کتابوں، فوائد السالکین، اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کے متعلق اپنے مطالعہ و تحقیق کے نتائج قلمبند کرکے ان کی جعلی ہونے کی پر زور تردید کی ہے، شروع میں بطور مقدمہ ملفوظات کے مطالعہ و تحقیق کے ضروری اصول اور بنیادی امور بیان کئے ہیں، اس میں پہلے ملفوظات کی تعریف، ان کی اہمیت و مقبولیت اور کتب ملفوظات کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ کی ضروری اور مفید باتیں لکھی ہیں، پھر ان کے مندرجات کی روشنی میں ان کے مطالعہ کے ضابطے بتائے ہیں، اس کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مجموعہ ملفوظات فوائد السالکین کا مفصل جائزہ لیا ہے، جس کو بابا فرید مسعود

گنج شکرؒ نے مرتب کیا تھا، اس میں فوائد السالکین کے مطبوعہ و قلمی نسخوں اور اردو ترجموں کا ذکر کیا ہے، اور اس کی مجالس کی تعداد بتائی ہے، پھر اس کی قدامت، عہدِ تدوین اور تاریخی اندراجات پر بحث و گفتگو کی ہے اور اس کے اسلوب بیان اور موضوع و مضمون کی وضاحت کی ہے، مصنف نے فوائد السالکین کی متعدد ایسی روایتیں نقل کرکے جو زیادہ بعید از قیاس باتوں اور خوارق سے تعلق رکھتی ہیں، ان پر کئے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، اور ان کے استبعاد کو دور کیا ہے، اسی طریقہ سے انھوں نے اسرار الاولیاء، اور راحت القلوب کے متعلق بھی اپنے مطالعہ و تحقیق کے نتائج بیان کئے ہیں، اور جن روایتوں پر اعتراضات کئے جاتے ہیں اور انھیں محال اور ناممکن سمجھا جاتا ہے ان کو ذکر کرکے ان کی وضاحت کی ہے، کہیں کہیں خود فاضل مصنف نے بھی ان کتابوں کے بعض مندرجات کو مشکوک قرار دیا ہے، جیسے صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ پر فوائد السالکین کے تاریخی اندراجات میں الحاق و جعل اور غلط اندراج کا اعتراف کیا ہے اور جب کتب حدیث اور جاہلی عربی شعراء کا کلام بھی الحاق و جعل سے خالی نہیں ہے تو ملفوظات میں بھی الحاق ممکن الوقوع ہے لیکن اس کی وجہ سے ملفوظات کے سارے ذخیرے یا کسی خاص مجموعہ کو تمام تر الحاقی سمجھنا یقیناً نادرست ہے، البتہ مصنف نے ان کتابوں کی بعض روایتوں پر جو بحث و گفتگو کی ہے، اس سے انہی لوگوں کو تشفی ہوگی جو تصوف کا مذاق اور اس کے مبادی و اصول سے واقفیت رکھتے، اور بقول مصنف "بصیرت باطنی" سے مالامال ہوں ورنہ عام اور ظاہر بین طبقہ کو اب بھی بہت کچھ لیت و لعل ہو سکتا ہے، حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے تعلق سے جس اسرائیلی روایت کو دو جگہ نقل کیا ہے اور اسے صحیح اور حقائق پر مبنی قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ محل نظر ہے، صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۹ پر ایک روایت کے عجوبہ پن کو دور کرنے کے لئے انھوں نے حضرت عمرؓ کے خطبہ جمعہ میں یا ساریۃ الجبل کہنے کے واقعہ سے جو استدلال کیا ہے، اگر دوسری روایتوں کے استبعاد کو رفع کرنے کے لئے بھی اسی طرح صحابہ کرامؓ کے عمل اور احادیث سے شواہد پیش کئے جاتے تو زیادہ مفید ہوتا، صوفیائے کرام کی تعلیم کی سب سے اہم خصوصیت نرمی، لینت اور شفقت

و محبت ہے، شدید ترین مخالفین کے لئے بھی ان کے آئینۂ دل پر بغض و کدورت کا زنگ نہیں ہوتا،

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

مولانا کو بھی انہی مردان حق آگاہ کے طریقہ کے مطابق مخالفین کے لئے سخت لب و لہجہ اور غیر معتدل انداز نہیں اختیار کرنا چاہئے تھا، تاہم انھوں نے صوفیہ کے خلاف چلائی گئی مہم کا جس جذبہ سے جواب دیا ہے وہ بہت قابل قدر ہے،

اسماعیلی عقائد پر ایک نظر مرتبہ جناب اصغر علی صاحب انجینیر، تقطیع متوسط کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۲۴، قیمت ۲۵ روپے، ناشر اسمٰعیل عطر والا، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، آئرین کاٹیج، سکنڈ فلور فورتھ روڈ، سانتا کروز ایسٹ بمبئی۔

اردو میں اسماعیلی مذہب اور فاطمین مصر کی تاریخ پر ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب زیادہ مشہور اور مستند خیال کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ اس پایہ کی نہیں ہیں، مگر خود اسماعیلی اور فاطمی فرقہ کے لوگوں کی کوئی کتاب موجود نہیں تھی، زیر نظر کتاب اسی کمی کو پورا کرنے اور اسماعیلی عقائد کے متعلق عام طور پر پھیلی ہوئی غلطیوں کے ازالہ کے لئے لکھی گئی ہے، اس کے فاضل مصنف کے خیال میں ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب ایک خاص مقصد کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے جس سے اسماعیلی مذہب کی حقیقت مسخ ہوگئی ہے، ان کے بیان کے مطابق انھوں نے اسماعیلی اور فاطمی عقائد کو پوری ایمانداری اور معروضیت کے ساتھ اس شکل میں پیش کیا ہے جیسا کہ اسماعیلی اور فاطمی خود سمجھتے ہیں، یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں اسماعیلی فرقے کی اجمالی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، اس میں اس کے بارہ میں غلط فہمی کے اسباب و وجوہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرے باب میں اسماعیلی تحریک کے آغاز، اس کے ابتدائی مراحل اور عقائد کا ذکر ہے، اس کے بعد اسماعیلی و فاطمی عقائد کے تین دور قائم کرکے ہر دور کے عقائد و مسائل کی تشریح کی ہے، اس ضمن میں شیعہ، قرامطہ، اسماعیلی اور فاطمی

کا فرق بھی واضح کیا ہے، مصنف نے فاطمی مذہب وعقیدہ کو اس کی کتابوں کی مدد سے بے کم و کاست پیش کرنے کا دعوی کیا ہے، لیکن اس ضمن میں انھوں نے بحث، تجزیہ اور استدلال کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اور جس طرح نتائج وغیرہ کا استنباط کیا ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے لئے بھی تشفی بخش ہو، وہ خود اس مذہب کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"شروع ہی سے اسماعیلی تحریک روپوش تحریک تھی، اور اسماعیلی ائمہ ایسے نام اختیار کرتے تھے جس سے مخالفین میں ذہنی کنفیوژن پیدا ہو... روپوش تحریک کی صحیح تاریخ لکھنا "کارے دارد" (ص۳) خفیہ تحریک کے کئی گوشے اکثر تاریک رہ جاتے ہیں جن پر قطعی رائے دینا یا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے... خود اسماعیلی کتب اس معاملے میں ہماری کوئی قطعی طور پر راہ نمائی نہیں کرتیں (ص۶)"

کیا اس کے بعد ڈاکٹر زاہد علی وغیرہ سے مصنف کی یہ شکایت بجا ہو سکتی ہے کہ انھوں نے ان کے مذہب کی صحیح تصویر نہیں پیش کی، علاوہ ازیں خود مصنف نے اپنے مذہب اور اس کے عقائد کو معروضیت کے ساتھ بے کم و کاست پیش کرنے کا جو دعوی کیا ہے، اس کے صحیح اور درست ہونے کا یقین کس طرح کر لیا جائے، اس کتاب میں آیات و احادیث اور مسائل کی جو عجیب و غریب تاویل کی گئی ہے اور ان کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کی جس طرح وضاحت کی گئی ہے اس کے بعد یہ مذہب بالکل گورکھ دھندا معلوم ہوتا ہے، کسی بھی مذہب پر خواہ کتنے ہی دور گزر جائیں اس کے عقائد میں رد و بدل نہیں ہوتا مگر مصنف نے ہر ہر دور کے جو عقائد بیان کئے ہیں، ان میں فرق و اختلاف ہے، اور بعض جگہ عقائد اور فقہی مسائل ایک دوسرے سے گڈمڈ کر دیئے ہیں، انھوں نے متعدد جگہ یہ واضح کیا ہے کہ ظاہری شرعی اعمال اور اس سے متعلق دیگر پہلوؤں کے بارہ میں اسلام کے دوسرے فرقوں سے اسماعیلی فرقہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے (ص۳۷) مگر دوسری جگہ اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ "عام فقہائے اسلام کے پانچ ستون بتائے ہیں، صلوٰۃ، صوم

زکوٰۃ، حج اور جہاد لیکن سیدنا قاضی النعمان دعائم الاسلام میں ان میں دو اور شامل کرتے ہیں ولایت اور طہارت،" انھوں نے امامت و وصایت اور اسکے سلسلہ میں جن پہلوؤں کا ذکر کیا ہے، کیا ان میں سے کوئی چیز بھی جمہور مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ہے، اس مختصر تبصرہ میں کتاب کے مندرجات اور باطنی تاویلات پر مفصل نقد و تبصرہ کی گنجائش نہیں، در اصل مصنف ہی کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مذہب کا اصلی خط و خال نمایاں ہونا اور اس کے بارہ میں کنفیوژن کا دور ہونا مشکل ہے، اس کتاب کے بعد بھی اس کی یہی صورت ہے۔

اسماء الصحابة الرواة وما لکل واحد من العدد از علامہ ابن حزم اندلسی مع تعلیق مولانا ابوسلمہ شفیع احمد صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، صفحات ۱۱۰، قیمت درج نہیں، پتہ ادارہ ترجمہ و تالیف ۲۸، پھول بگان روڈ، کلکتہ ۱۴

یہ عربی رسالہ صاحب الملل والنحل علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی تصنیف ہے جسے کلکتہ کے ایک صاحب علم اور ادارہ ترجمہ و تالیف کے ناظم مولانا ابوسلمہ شفیع احمد صاحب نے اپنی تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے، رسالہ میں راویان حدیث صحابہ کے نام اور ان کی مرویات کی تعداد درج ہے، مصنف علام نے مرویات کے لحاظ سے ان صحابہ کے مختلف طبقے قائم کئے ہیں پہلے طبقہ صاحب الالوف میں صرف حضرت ابوہریرہؓ کا اسم مبارک درج ہے جن کی مرویات کی تعداد ۵۳ بتائی ہے، اس کے بعد دو ہزار سے زیادہ پھر ایک ہزار اور اس سے زیادہ، پھر ایک ہزار سے کم اور تین سو سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے صحابہ کے نام لکھے ہیں، اس کے بعد دو سو سے زیادہ پھر ایک سو سے زیادہ اور پھر ایک سو سے کم اور بیس سے زیادہ احادیث کے راوی صحابہ کے نام تحریر ہیں، آخر میں بیس تا ایک کے مند سے درج ہیں، اور جس صحابی نے جتنی تعداد میں حدیث روایت کی ہے اس کا نام

اسی ہندسہ کے تحت دیا ہے، مولانا ابوسلمہ کی تعلیقات کے دو حصے ہیں، پہلے میں صحابی کی تعریف، صحابہ کے مناقب اور مراتب کے لحاظ سے افضل صحابہ کا ذکر ہے، دوسرے حصہ میں ان سب صحابۂ کرام کا مختصر ترجمہ دیا ہے جن کے نام اور مرویات کی تعداد علامہ ابن حزمؒ نے لکھی تھی، بعض بعض صحابہ کے تذکرہ میں اس کی صراحت بھی ہے کہ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ دونوں نے یا ان میں سے ایک ایک نے ان سے کس قدر روایتیں کی ہیں، رسالہ کو ترتیب تحقیق اور تحشیہ کے جدید طریقوں کے مطابق مرتب کرنے کی ضرورت تھی، اس کے شروع یا آخر میں مباحث و مندرجات کی کوئی فہرست نہیں دی ہے، ابتدا میں علامہ ابن حزمؒ کا ترجمہ دیا ہے، مگر یہ بہت مختصر اور ناکافی ہے، ان کے زیر نظر رسالہ کا عام خبار میں کوئی ذکر نہیں ملتا، اس لئے ایک مفصل مقدمہ میں رسالہ کے مطبوعہ و مخطوطہ نسخوں اور موجودہ متن کی بنیاد کے علاوہ دوسرے ضروری معلومات قلمبند کرنا ضروری تھا، یہ رسالہ اپنی نوعیت میں منفرد ہے، اور اس کی اشاعت ایک مفید علمی و دینی خدمت ہے۔

مثنویاتِ غالب مترجم جناب ظ. انصاری صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۸۴، مجلد مع مصور و خوبصورت گرد پوش، قیمت ساٹھ روپیے
پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی ۲

جناب ظ. انصاری مشہور اہل قلم ہیں، دوسرے موضوعات سے قطع نظر غالب بھی ان کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے، ان کی کتاب "غالب شناسی" کا شہرہ ہے، مرزا غالب کی اردو شاعری کی شہرت چاہے جس قدر بھی ہو مگر وہ اسے "بے رنگ من ست" ہی کہتے تھے اور اس کے مقابلہ میں اپنی فارسی شاعری پر زیادہ فخر و ناز کرتے تھے، اس لئے جناب ظ. انصاری نے غالب سے غیر معمولی دلچسپی اور فارسی کلام کی اہمیت کی بنا پر اس کا اردو ترجمہ کیا ہے تاکہ فارسی سے ناواقف لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، زیر نظر کتاب میں صرف فارسی مثنویوں کا رواں اردو ترجمہ مع فارسی متن شائع کیا گیا ہے، غالب کے دیوان

میں کل گیارہ مثنویاں ہیں جن کے آخر میں مناجات، نعت، منقبت، مغنی نامہ اور ساقی نامہ بھی شامل ہے، مترجم نے ان سب کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے، جو ان کے خیال میں غالب کی شاعری کا مزاج اور نقطۂ عروج ہیں اور غالب کو خود بھی ان کی اہمیت کا احساس تھا اور مثنویوں کے بارہ میں مترجم کا بیان ہے کہ غزلوں کے منتشر اور بکھرے خیالات ان میں موجود ہیں اور ان سے ان کی مکمل اور سچی شخصیت کا پورا تعارف ہوگا اور غالب شناسی ایک قدم آگے بڑھے گی، صنف مثنوی اور غالب کی مثنویوں کی خصوصیات پر مترجم نے جو مقدمہ لکھا ہے اسے طوالت کی بنا پر اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے، وہ آئندہ کتابی صورت میں طبع ہوگا مگر فٹ نوٹ میں ہر مثنوی کی مختصر وضاحت اور ضروری باتیں تحریر ہونی چاہئے تھیں، صرف فہرست میں کتابت کی دو غلطیاں نظر آئیں، نبووت بجائے نبوت اور منقت بجائے منقبت، غالب انسٹی ٹیوٹ اس کی اشاعت پر قابل مبارکباد ہے،

نصیحتیں اور وصیتیں مرتبہ مولانا عبدالمجید اصلاحی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۷۶، مجلد، قیمت دس روپیے، ناشر: انجمن دار التعلیم و الصنعت، جاجمؤ، کانپور۔

کانپور کے معمر اور دیندار تاجر حاجی منت اللہ صاحب نے سلف صالحین کے دستور کے مطابق اپنی اولاد کو جو نصیحتیں اور وصیتیں کی ہیں، انھیں اس مجموعہ میں عام فائدے کے لئے شائع کیا گیا ہے، اس کے مرتب مولانا عبدالمجید اصلاحی نے حاجی صاحب کے علاوہ اور لوگوں کی وصیتیں بھی اس میں جمع کر دی ہیں جس کی وجہ سے یہ مجموعہ زیادہ بہتر اور مفید ہو گیا ہے، اس سلسلہ میں سر فہرست قرآنی وصیتیں درج ہیں ان میں بعض تو اللہ تعالیٰ کی بندوں کے نام ہیں اور بعض خود بندوں کی بندوں کو نام ہیں، لائق مرتب کو عربی زبان اور ادب کا اچھا ذوق ہے اس لئے انھوں نے اس مجموعہ میں ادب و محاضرات کی کتابوں سے جہاں رسول اکرمؐ صحابہ کرام، تابعین عظام، اموی اور عباسی دور کے ممتاز امراء و حکماء کے وصایا و نصائح قلمبند کئے ہیں

وہاں زمانہ جاہلیت کے مشہور ادیبوں، شاعروں اور خطباء و حکماء کی وصیتیں بھی تحریر کی ہیں، آخر میں شاہ فرانس لوئیس نہم، برطانوی شاعر کپلنگ، مصر کے احمد امین اور عزیز اباظہ اور ہندوستان کے مولانا حمید الدین فراہیؒ اور ڈاکٹر اقبال کی وصیتیں اور نصیحتیں درج ہیں، اس مجموعہ میں جن لوگوں کی وصیتیں جمع کی گئی ہیں ان سب کے مختصر حالات بھی سلیقہ سے دیئے گئے ہیں، البتہ حاجی صاحب کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں، اس کی وجہ سے بھی اس مجموعہ کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے، مگر خلفائے ثلاثہ، کبار صحابہ اور امت کے متعدد صلحاء و اخیار کی وصیتیں اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں،

بدایوں کے چند ادباء و شعراء۔ مرتبہ جناب مبشر علی صدیقی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت قدرے بہتر، صفحات ۱۶۸، قیمت مجلد بارہ ۱۲ و غیر مجلد دس ۱۰ روپیے؛ پتہ: سلیم مبشر اردو سوسائٹی، گلی وحید بخش، محلہ سوتھ بدایوں۔

جناب مبشر علی صدیقی کا نام ناظرین معارف کے لئے نامانوس نہیں ہے، وہ معمر و مشاق اہل قلم اور اردو زبان کے پرانے بے لوث خدمت گذار ہیں، ان کا وطن بدایوں علمی حیثیت سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ملا عبد القادر بدایونی اسی سرزمین کے لعل و گہر تھے، مبشر صاحب نے اس کتاب میں اپنے دور کے بدایونی شاعروں، ادیبوں اور نقادوں کے بارہ میں اپنے مفید تاثرات اور معلومات درج کئے ہیں، اور ان کی ادبی و علمی خدمات پر بحث و گفتگو کی ہے، ان لوگوں میں اب بجز دو کے سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، مگر مبشر صاحب کی ان سب سے براہِ راست واقفیت رہ چکی ہے، اس لئے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت دیدہ کی ہے، اس میں ایک طرف فانی، قمر، شکیل، سرور اور دلاور فگار جیسے ممتاز لوگوں کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف ان سے نسبۃً کم معروف اور بعض گمنام حضرات کا بھی ذکر ہے، مصنف نے اس میں بدایوں سے تعلق رکھنے والے بعض اشخاص کی تصنیفات اور وہاں سے شائع ہونے والے دو رسالوں کا بھی مختصراً تعارف کرایا ہے، گو یہ مصنف کی پرانی کتاب ہے، مگر اب مزید اضافہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ «ض»